قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۴

ربیع الثانی: ۱۴۳۹ھ - جنوری: ۲۰۱۸ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ

انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا

وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

کرپشن اور منشیات کا بڑھتا رجحان ! اور سدِ باب کی ضرورت	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور اُن کی تصانیف	۱۱	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۱۰)	۲۴	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
''مکروہ'' شریعت کی نظر میں !!	۲۸	مفتی عثمان الدین
لباس کے شرعی و طبعی تقاضے اور تشبہ کا المیہ !	۳۳	مولانا محمد حمزہ منصور
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (قسط:۴)	۳۹	مولانا انعام اللہ

یادِ رفتگاں

نیازؒ کی چند بے نیازیاں !	۴۷	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

دار الافتاء

اُدھار پر سونا چاندی کی خرید و فروخت !	۵۸	ادارہ

نقد و نظر

	۶۱	ادارہ

کرپشن اور منشیات کا بڑھتا رُجحان!

اور سدِباب کی ضرورت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

آج کل دنیا بھر میں عموماً اور ہمارے ملک پاکستان میں خصوصاً دو چیزوں پر بہت زیادہ گفت وشنید، لے دے اور پکڑ دھکڑ ہورہی ہے: ا:-کرپشن، ۲:-عصری اداروں میں منشیات کے استعمال کا رجحان۔

ایک دَہائی سے یہ بات پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور عدالتوں میں بڑی شد و مد سے ہورہی ہے کہ فلاں وزیر اعظم، فلاں وزیر، فلاں سیکرٹری، فلاں افسر اور فلاں سیاست دان نے اتنا کرپشن کی، اس کی روک تھام کے لیے ''نیب'' کا ادارہ بھی ہمارے ملک میں کام کررہا ہے۔ کسی کے خلاف ریفرنس دائر ہوا ہے، کسی کے خلاف انکوائری ہورہی ہے، کسی سے اتنا مال کی برآمدگی ہوئی ہے، کسی سے مال کی واپسی کے لیے مشروط ڈیل ہورہی ہے۔ یہ آئے دن کی باتیں اور خبریں ہر ایک کو پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ اسی طرح اخبارات میں یہ بھی آیا ہے کہ:

ا:......''اسلام آباد پولیس نے مختلف یونیورسٹیوں اور اطراف سے تین طلبہ سمیت چار مبینہ منشیات فروش گرفتار کرلیے ہیں۔ اسلام آباد پولیس کے مطابق وفاقی دارالحکومت کی مختلف سرکاری ونجی یونیورسٹیوں اور اطراف میں منشیات فروشوں کے خلاف کارروائی کی گئی تھی۔ کارروائی میں تین طلبہ سمیت چار مبینہ منشیات فروشوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ پولیس کے مطابق

طالب علم ولید شمیم سے سینکڑوں نشہ آور گولیاں اور دوسو گرام چرس برآمد ہوئی ہے۔ ایک اور یونیورسٹی میں منشیات کے مبینہ سپلائر طالب عالم زمد الناس اور منشیات کے اسمگلر مطیع اللہ کو بھی گرفتار کرلیا گیا ہے۔ پولیس نے ملزمان کے خلاف مقدمات درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔'' (روزنامہ جنگ، ۹/فروری، ۲۰۱۷ء)

اسی طرح ایک مہینہ کے بعد اخبارات میں یہ خبر بھی آئی کہ:

''ملتان کی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں منشیات بیچنے والا شخص گرفتار ہوگیا، چرس اور شراب برآمد ہوئی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ہاسٹل میں مقیم طالبہ بھی منشیات سپلائی میں ملوث ہے۔ یونیورسٹی میں سیکورٹی گارڈ نے منشیات سپلائی کرنے والے ایک شخص کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا، جس سے شراب اور چرس برآمد ہوئی ہے۔ پولیس اور سیکورٹی اہلکاروں کی تفتیش پر ملزم نے گرلز ہاسٹل میں مقیم ایک طالبہ کا نام بھی لیا اور بتایا کہ منشیات سپلائی میں وہ بھی ملوث ہے۔ پولیس نے طالبہ سے بھی تفتیش شروع کر دی ہے۔ گرفتار شخص طلحہ اور طالبہ نے شیراز نامی شخص کا نام لیا ہے، جو اُن سے منشیات سپلائی کراتا ہے۔ دوسری جانب یونیورسٹی ترجمان کا کہنا ہے کہ انتظامیہ بھی منشیات سپلائی کرنے والے گروہ کا پتہ لگانے میں مصروف ہے۔'' (روزنامہ جنگ، ۲۹/مارچ ۲۰۱۷ء)

اسی طرح سات ماہ بعد یہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنی کہ:

''جنوبی پنجاب کی سب سے بڑی ملتان کی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں منشیات فروشی کا انکشاف ہوا ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کا موقف ہے کہ منشیات فروشی میں سیکورٹی گارڈ، طلبہ، اور دیگر عملہ ملوث ہے۔ رپورٹ کے مطابق ریزیڈنٹ آفیسر راؤ مقرب کے مطابق رپورٹ موصول ہونے پر تمام ڈیٹا انتظامیہ کو فراہم کر دیا گیا تھا، جب کہ یونیورسٹی حکام اپنے طور پر بھی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دے کر کام کر رہے ہیں۔ دوسری جانب یونیورسٹی میں منشیات فروشی کے انکشاف کے بعد یونیورسٹی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ واقعے کی تحقیقات جاری ہیں اور اگر کوئی بھی ملوث پایا گیا تو اس کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔'' (روزنامہ جنگ، ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۷ء)

ظاہر ہے کہ کرپشن ہو یا عصری اداروں میں منشیات کا استعمال، جس معاشرے میں یہ دونوں چیزیں پنپ اور پرورش پا رہی ہوں، وہ معاشرہ کسی بھی اعتبار سے صحت منداور مثالی معاشرہ نہیں کہلاسکتا، بلکہ ایسا معاشرہ جاں بلب اور تباہی کے دَہانے کھڑا متصور ہوگا۔ یہ دونوں بیماریاں ہمارے ملک اور

ہمارے مستقبل کے معماروں کو اندر سے کھوکھلا کیے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک اور عصری اداروں میں یہ دونوں بیماریاں کیوں درآئیں؟ اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟

حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کا ذمہ دار ہمارا نظامِ تعلیم اور اربابِ اقتدار ہیں۔ نظامِ تعلیم پر اس لیے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم نے عصری اداروں میں وہ نظامِ تعلیم رائج کیا ہوا ہے جو اسلامی تعلیمات سے یکسر خالی ہے، جس میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق جیسی ضروری اور بنیادی باتیں بالکل معدوم ہیں۔ اس کے ساتھ یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق، ہمارا مالک، ہمارا رازق اور ہمارا پالنہار ہے، اس نے چندروزہ زندگی، آخرت بنانے کے لیے دی ہے۔ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے، دنیا میں کیے گئے ہر ہر عمل اور ہر ہر کام کا آخرت میں مجھے حساب دینا ہے۔ ان بنیادی چیزوں پر نظامِ تعلیم کا استوار ہونا تو دور کی بات ہے، اس کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا، حالانکہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت دو ایسی بنیادیں ہیں، اگر ان کو نظامِ تعلیم کا حصہ بنایا جاتا تو آج ہمارا معاشرہ مثالی معاشرہ ہوتا۔

اس لیے کہ جب تک دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف، آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہیں ہوگا، اس وقت تک جھوٹ، فریب، رشوت، چوری، ڈکیتی، خودغرضی، مفاد پرستی، اقربا پروری اور اختیارات کا بے جا استعمال جیسی موذی اور مہلک آفتوں سے نہیں بچا جاسکتا۔ چنانچہ آج دیکھ لیں جرائم کو روکنے کے لیے پولیس کے اوپر پولیس، ایک محکمہ کے اوپر دوسرا محکمہ، ایک قانون کے اوپر دوسرا قانون بنایا جارہا ہے، لیکن ان پولیس والوں، محکموں اور ان قوانین کا کیا حشر ہورہا ہے! حالانکہ عدالتیں اپنی جگہ کام کررہی ہیں، پولیس اپنی جگہ کام کررہی ہے، انسدادِ رشوت ستانی اور ''نیب'' جیسے ادارے موجود ہیں، جن پر کروڑوں اور اربوں روپے کے مصارف لگ رہے ہیں۔

ہمارے ملک اور معاشرے میں مادی اعتبار سے کسی چیز کی کمی نہیں، اگر کچھ کمی اور قلت ہے تو ان اسلامی تعلیمات اور اسلامی اقدار کی پاسداری کی ہے، جن کو ہمارے نظامِ تعلیم میں اپنایا نہیں گیا، جس کا ثمرہ ہے کہ آج تک ہمارا پورا نظامِ زندگی تلپٹ ہوچکا ہے اور سارا معاشرہ بگاڑ اور ناہمواری کا شکار ہے۔

جن تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والوں کے دل ودماغ اور ذہنوں میں ''مادیت'' عہدہ، منصب اور معیارِ زندگی کو بلند سے بلندتر کرنے کی افادیت اور اہمیت بٹھائی گئی ہو، تو وہاں دورانِ تعلیم ہی بعض طلبہ جھنجھلاہٹ اور ڈپریشن کا شکار ہوجاتے ہیں اور سکون پانے کے لیے وہ ان نشہ آور چیزوں کی طرف لپکتے ہیں اور دوسری طرف دنیا کے پجاری اور دولت کے رسیا ہماری اس نوجوان نسل کی جانوں سے کھلواڑ کرکے اپنی ہوس کو پورا کرتے ہیں۔ اگر ان کے نصابِ تعلیم میں قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نصوص، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی اور اولیائے کرامؒ کی قناعت والی زندگی کے واقعات شامل ہوتے تو یہ کبھی ڈپریشن اور جھنجھلاہٹ کا شکار نہ ہوتے، اور نہ ہی منشیات کی طرف ان کا رُجحان ہوتا۔

اور دوسری طرف صاحبانِ اقتدار اور ملکی اداروں کی بڑی بڑی پوسٹوں پر براجمان ہونے والے افسران صاحبان ہیں، جنہوں نے اقتدار کے حصول اور اعلیٰ پوسٹوں پر فائز ہونے کے لیے کثیر سرمایہ خرچ کیا ہوا ہوتا ہے، تو اقتدار اور اعلیٰ پوسٹ کے ملتے ہی وہ قومی خزانہ سے لوٹ کھسوٹ، عوامی طبقہ سے رشوت، اور ناجائز ذرائع سے دولت کا حصول اپنے لیے نہ صرف جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اس کو اپنا پیدائشی حق بھی تصور کرتے ہیں۔

حالانکہ ان اللہ کے بندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قومی خزانے کی چوری اور خیانت کسی کی ذاتی جائیداد اور مال ومتاع کی چوری سے زیادہ خطرناک ہے، اس لیے کہ کسی خاص شخص سے اس کی شخصی ملکیت میں بے جا تصرف سے تو معافی یا اُن کے حقوق کی واپسی سے معاملہ صاف ہوسکتا ہے، لیکن قومی خزانے اور اجتماعی اموال کی چوری اور خیانت میں معافی یا حقوق کی واپسی ایک دشوار امر ہے، اسی لیے اس کی سنگینی کو ظاہر کرنے کے لیے چند احادیث نقل کی جاتی ہیں، تاکہ ایسے حضرات کو احساس ہو کہ ہم کتنا بڑا جرم اور اپنے لیے کتنا بڑا خسارے کا سودا کررہے ہیں۔ قومی خزانے میں لوٹ مار اور خیانت کرنے والوں کی فریاد قیامت کے دن بے اثر ہوگی، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے:

’’عن أبی هریرةؓ قال: قام فینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذات یوم ، فذکر الغلول فعظمهٗ وعظم أمرهٗ ، ثم قال: لا ألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علٰی رقبتهٖ بعیر لهٗ رغاء یقول: یا رسول اللّٰه ! أغثنی ، فأقول: لا أملک لک شیئًا قد أبلغتک. لا ألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علی رقبتهٖ فرس لهٗ حمحمة ، فیقول: یا رسول اللّٰه ! أغثنی ، فأقول: لا أملک لک شیئًا قد أبلغتُک . لاألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علٰی رقبتهٖ شاة لها ثغاء یقول: یا رسول اللّٰه ! أغثنی ، فأقول: لا أملک لک شیئًا قد أبلغتک . لا ألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علی رقبتهٖ نفس لها صیاح ، فیقول: یا رسول اللّٰه ! أغثنی ، فأقول: لاأملک لک شیئًا قد أبلغتک . لا ألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علٰی رقبتهٖ رقاع تخفق ، فیقول: یا رسول اللّٰه ! أغثنی فأقول: لا أملک لک شیئًا قد أبلغتک لا ألفین أحدکم یجیء یوم القیامة علی رقبته صامت فیقول: یا رسول اللّٰه! أغثنی فأقول: لا أملک لک شیئًا قد أبلغتک ۔‘‘

(صحیح مسلم، ج:۳،ص:۱۴۶۱، باب غلظ تحریم الغلول، ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسولِ کریم ﷺ نے ایک دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ کے دوران) مالِ غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بہت بڑا گناہ بتایا اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا اور پھر فرمایا

کہ: ’’خبردار!‘‘ میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر بلبلاتے ہوئے اونٹ کو لادے ہوئے (میدانِ حشر میں) آئے (یعنی جو شخص مالِ غنیمت میں سے مثلاً: اونٹ کی خیانت کرے گا وہ شخص میدانِ حشر میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کی گردن پر وہی اونٹ سوار ہوگا اور بلبلا رہا ہوگا) اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ: یارسول اللہ! میری فریادرسی (شفاعت) کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں (شریعت کے احکام) پہنچادیئے تھے (یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کردیا گیا تھا کہ مالِ غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں ناحق تصرف بہت بڑا گناہ ہے) (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری لادے ہوئے آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یارسول اللہ! میری فریادرسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ: میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں (شریعت کے احکام) پہنچادیئے تھے۔ (اور خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوئے آدمی کو (یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لیے ہوں) لادے ہوئے آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ: یارسول اللہ! میری فریادرسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ: میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں (شریعت کے احکام) پہنچادیئے تھے۔ (اور خبردار! میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے رکھے ہوئے آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ: یا رسول اللہ! میری فریادرسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچادیئے تھے۔ (خبردار!) میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر سونا چاندی لادے ہوئے آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ: یارسول اللہ! میری فریادرسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ: میں (اب) تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچادیئے تھے۔‘‘

اسی طرح قومی خزانے میں چوری اور خیانت کرنے والوں کو حضور اکرم ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے:

’’عن أبی هریرةؓ، قال: خرجنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم خیبر، فلم

نغنم ذهباً ولا فضّةً ، إلا الأموال والثياب والمتاع، فأهدٰى رجل من بني الضبيب – يقال لهٗ رفاعة بن زيد – لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم غلاما، يقال لهٗ مدعم، فَو)جَّهَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلٰى وادى القرى، حتّٰى إذا كان بوادى القرى، بينما مدعم يحطّ رحلا لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، إذا سهم عائر فقتلهٗ ، فقال الناس: هنيئًا له الجنة ، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كلّا، والذى نفسى بيدهٖ ، إن الشملة التى أخذها يوم خيبر من المغانم، لم تصبها المقاسم ، لتشتعل عليه نارا فلما سمع ذلك الناس جاء رجل بشراك –أو شراكين – إلى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: ''شراك من نار –أو– شراكان من نارٍ ۔'' (صحیح البخاری، ج:۸،ص:۱۴۳، باب: ہل یدخل فی الأیمان والنذور الأرض والغنم والزروع والأمتعۃ ، ط: دار طوق النجاۃ ، بیروت)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کے سال نکلے، تو ہمیں غنیمت میں نہ سونا ہاتھ آیا نہ چاندی، البتہ کپڑے اور مال واسباب ملے، رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ کی جانب چلے اور آپ ﷺ کو ایک کالا غلام ہدیہ میں دیا گیا تھا، جس کا نام مدعم تھا، جب لوگ وادی القریٰ میں پہنچے تو مدعم آپ ﷺ کے اونٹ کا پالان اُتار رہا تھا، اتنے میں اس کو ایک تیر آ لگا اور وہ مر گیا، لوگوں نے کہا: اس کے لیے جنت کی مبارک بادی ہو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کی لڑائی میں غنیمت کے مال میں سے تقسیم سے قبل لی تھی، اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آگ کا ایک تسمہ ہے یا فرمایا: آگ کے دو تسمے ہیں۔''

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کو غنیمت کے موقع پر جمع شدہ مال دیر سے جمع کرایا تو آپ ﷺ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: قیامت کے دن خود ہی اس کا حساب اللہ تعالیٰ کو دینا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے:

''عن عبد اللّٰه بن عمروؓ قال: كان رسول اللّٰه –صلى اللّٰه عليه وسلم– إذا أصاب غنيمة أمر بلالاؓ فنادى فى الناس فيجيئون بغنائمهم فيخمسهٗ ويقسمهٗ فجاء رجل بعد ذلك بزمام من شعر ، فقال: يا رسول اللّٰه ! هذا فيما كنا أصبناه من الغنيمة. فقال : أسمعت بلالا ينادى ثلاثا؟ قال: نعم ، قال : فما منعك أن تجىء بهٖ ، فاعتذر إليه ، فقال : كن أنت تجىء به يوم القيامة فلن أقبله عنك ۔'' (سنن ابی داؤد، ج:۳، ص:۲۱، باب فی الغلول إذا کان یسیرا یترکہ الإمام ولا یحرق رحلہ، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

’’حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مالِ غنیمت کو جمع کرا کر تقسیم کرنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (اعلان کرنے کا) حکم دیتے، چنانچہ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کر دیتے اور (اس اعلان کو سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے (یعنی جس کے پاس ہوتا) پھر آپ ﷺ مالِ غنیمت کو تقسیم فرما دیتے۔ (ایک دفعہ ایک شخص (مالِ غنیمت میں سے خمس نکالنے اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے) ایک دن بعد بالوں کی بنی ہوئی ایک مہار لے کر آیا اور عرض کیا کہ: ’’یا رسول اللہ! جو مالِ غنیمت ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ مہار بھی تھی۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’بلالؓ نے تین بار جو اعلان کیا تھا اس کو تم نے سنا تھا؟ اس نے کہا کہ: ’’ہاں! میں نے سنا تھا۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’پھر اس کو (اسی وقت) لانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟‘‘ اس نے (اس تاخیر کے لیے) کوئی عذر بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بس (اب) یوں ہی رہو (یعنی اس کو اپنے پاس ہی رکھو، اب تو) کل قیامت کے دن ہی اس کو لے کر آنا (اور تب اللہ کو اس کا جواب دینا) میں (اب) اس کو تم سے ہرگز نہ لوں گا۔‘‘

حضور اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے ادوار میں مالِ غنیمت میں خیانت سے جمع شدہ مال بطورِ سزا جلوا دیا، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

’’عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہٖ أن رسول اللّٰہ – صلی اللّٰہ علیہ وسلم– وأبا بکرؓ وعمرؓ حرّقوا متاعَ الغالّ وضربوہ۔‘‘

(سنن ابی داؤد، ج:۳،ص:۲۲، باب فی عقوبۃ الغال، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

’’رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان واسباب جلا دیا اور اس کی پٹائی بھی کی۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: خائن کی خیانت پر پردہ ڈالنا بھی خیانت کے زمرہ میں آتا ہے، جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

’’عن سمرۃ بن جندبؓ قال: أمّا بعد! وکان رسول اللّٰہ –صلی اللّٰہ علیہ وسلم– یقول: من کتم غالاً فإنہٗ مثلہٗ۔‘‘

(سنن ابی داؤد، ج:۳،ص:۲۲، باب النہی عن الستر علی من غل، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)

’’رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: جس شخص نے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا تو گناہ گار ہونے کے اعتبار سے وہ بھی خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔‘‘

آج کل اداروں میں بااثر اور من پسند لوگوں کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس طرح اس کا کیس بنایا جاتا ہے کہ آگے چل کر وہ معصوم اور پاک وصاف بن کر قوم کے سامنے آتا ہے، ایسے لوگوں کو یہ حدیث اپنے پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ایسے لوگ بھی مشترکہ دولت میں خیانت کرنے والوں کی طرح مجرم ہیں، کیونکہ جس قوم میں رشوت کا لینا دینا بڑھ جاتا ہے، وہ قوم، ملک اور معاشرہ اندر سے کھوکھلا اور بزدل بن جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے:

’’عن عمروؓ بن العاص قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ما من قوم یظهر فیهم الزنا إلا أخذوا بالسنة وما من قوم یظهر فیهم الرشا إلا أخذوا بالرعب۔‘‘ (مشکوٰۃ، ص: ۳۱۳، ط: قدیمی)

’’رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس قوم میں زنا عام ہوجائے تو ان کو قحط سالی کے ذریعہ سزا دی جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہوجائے تو ان کو (دشمن کے) رعب کی سزا دی جاتی ہے۔‘‘

آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کا ایک ارشاد نقل کیا جاتا ہے، آپؒ کا ارشاد ہے کہ: ’’اہل ایمان کی خواہ بدکار ہی ہوں، عزت کرو اور ان کو نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع کرتے رہو۔ اور بدکار لوگوں کی صحبت سے بچو، لیکن ان کو حقیر اور اپنے کو بڑا سمجھتے ہوئے نہیں۔‘‘ آگے فرمایا کہ: ’’ایمان اصل ہے، باقی سب اس کی فروع ہیں۔ ایمان کی فکر کی جائے۔ بظاہر ایمان اور اس کا باقی رہنا آسان نظر آتا ہے، لیکن واقعہ میں بہت مشکل ہے، بجز فضلِ خداوندی اس کی کوئی صورت نہیں، اس لیے تو شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ایماں چوں سلامت بلب گور بریم
احسنت زہے چستی و چالاکی

ترجمہ: ’’جب ہم لبِ گور تک ایمان سلامت لے جائیں تو آفریں، پھر ہماری چستی اور چالاکی صد مبارک باد ہے۔‘‘

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، مستقبل کے معماروں، ہمارے ملک اور ملکی اداروں کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو اعمالِ صالحہ کرنے کی توفیق اور اعمالِ سیئہ سے بچنے کی استطاعت نصیب فرمائے، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

اور اُن کی تصانیف

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

’’مولانا سید محمد از ہر شاہ قیصرؒ نے امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح، حالات اور خدمات سے متعلق مضامین پر مشتمل ’’حیاتِ انورؒ ‘‘ کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی، جو آج سے تقریباً چالیس سال قبل انڈیا میں شائع ہوئی تھی، زیرِ نظر مضمون اسی کتاب کا حصہ ہے، جس میں محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا تعارف کرایا ہے۔ افادیت کے پیشِ نظر قارئینِ بینات کی نذر کیا جارہا ہے۔‘‘ (ادارہ)

علمی دنیا کی تاریخ میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی شخص کے ذاتی کمالات وعلوم کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دنیا اُن کے کمالات سے واقف بھی ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ کی اس وسیع سرزمین میں کتنی ایسی ہستیاں گزری ہوں گی جن کا صحیح اندازہ کسی کو نہ ہوا ہو۔ اور یہ بھی ایک مسلَّم امر ہے کہ کوئی شخص تصانیف کی محض عددی کمیت واکثریت کی بنا پر علامۂ عصر بن جائے ایسا نہیں ہوسکتا۔ علماء اسلام کے علمی سمندر میں کثرت سے ایسے بیش بہا موتی موجود ہیں جو کبھی کسی تاجِ مُرصَّع کی زینت نہیں بنے۔ قدرت کی معدنی کائنات میں ایسے بے بہا جواہرات موجود ہیں کہ ’’کوہِ نور‘‘ نامی ہیرے اس کی چمک وتابانی کے سامنے ماند پڑ جائیں: ’’وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔‘‘ (الحجر:۱۲)

حافظِ حدیث امام تقی الدین ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ جیسے محققِ عصر جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اُمتِ محمدیہ میں ایسا دقیق النظر محدث نہیں گزرا، اگر ان کی کتاب ’’الأحکام‘‘ یا ’’کتاب الإمام شرح الإلمام ‘‘ کی ناتمام نقول کتابوں میں نہ ہوتیں تو شاید موجودہ نسل کو ان کے کمالات کا کچھ علم بھی نہ ہوتا۔ کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ شیخ جلال الدین سیوطی مصریؒ اپنی

کثرتِ مصنفات کی وجہ سے ابن دقیق العیدؒ جیسے محققِ روزگار سے سبقت لے جائیں گے؟!

بسااوقات دفترِ تاریخ کی ورق گردانی سے بھی اس کا پورا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے، معاصرین فیض یافتہ اور چشم دید کمالات کے مشاہدہ کرنے والوں کو جن علمی حقائق کا انکشاف ہوتا ہے ان کے مؤلفات کے صفحات پڑھنے والوں کو پورا احساس بے حد مشکل ہے۔ پھر قدرت کا عجیب نظام ہے کہ علماء امت اور اربابِ ولایت کے مزاج بھی اتنے مختلف ہیں کہ عقلِ نارسا حیران رہتی ہے، کوئی دینی خدمت، تعلیم وارشاد اور افادہ وافاضہ کے پیشِ نظر تالیف وتصنیف میں مشغول نظر آتا ہے، کوئی اصلاح وتربیت کی حرص کی خاطر حلقۂ صحبت واستفادہ کو وسیع کرنے کی فکر میں مصروف ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ خمول پسندی وتواضع وشہرت سے نفرت کی بنا پر گم نامی کو اپنا شیوۂ امتیاز بنائے ہوئے ہے، نہ نظامِ قدرت کے عجائبات کی انتہاء ہے، نہ کائنات کی نیرنگیوں کا شمار:

رُتَب تقصر الأماني خسر ای	دُونها ما ورائهن وراء

صاحبِ فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم اُمت میں نہیں گزرا اور پھر فرمایا کہ: یہ کوئی کم زمانہ نہیں، غالباً موصوف کے الفاظ یہ تھے:

’’لم یأت فی الأمة بعد الشیخ ابن الهمام مثلهٗ فی استشادة الأبحاث النادرة من الأحادیث ولیست هذهٖ المدة بقصیرة۔‘‘

اور حیرت یہ ہوتی تھی کہ کسی موضوع پر جب کچھ تحریر فرمایا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید ساری زندگی اسی ایک موضوع کی نذر ہوئی ہے۔

ایک دفعہ ۱۳۴۰ھ میں مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب شیروانی مرحوم حیدرآباد سے دیوبند تشریف لائے تھے، اس وقت مرحوم اُمورِ مذہبی کے صدر الصدور کے عہدے پر فائز تھے۔ حضرتؒ کی زیارت کے لیے قیام گاہ پر تشریف لائے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مشکلات القرآن کا کچھ تذکرہ فرمایا اور بطور مثال سورۂ مزمل کی پہلی آیت میں علماء کو جو علمی اشکال تھا، اس کا ذکر فرما کر اپنی طرف سے ایک ایسی تفسیر بیان کرکے ایسی تحقیق کی کہ وہ مشکل حل ہوجائے۔ شیروانی صاحب نے حیران ہوکر بے ساختہ فرمایا کہ: حضرت! بات بالکل صاف ہوگئی۔ ۱۳۴۸ھ کا واقعہ ہے، کشمیر سے واپسی پر حضرتؒ لاہور ایک دوروز کے لیے اُترے، آسٹریلیا بلڈنگ میں قیام تھا، میزبان نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی، ڈاکٹر صاحب کے سامنے حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت سے علمی جواہرات بیان فرمائے، ان میں ایک موضوع یہ تھا کہ اُمت میں سائنس وطبعیات میں جو حیرت انگیز ترقیاں ہوئی ہیں، انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کی نظیریں موجود ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں یہ چیزیں قدرت نے اس لیے ظاہر کرائیں کہ یہ آئندہ اُمت کی ترقیات کے لیے تمہید ہوں اور فرمایا کہ: ’’ضرب الخاتم‘‘ میں اسی کی طرف میں نے

ارشاد فرمایا ہے۔ راقم الحروف نے حضرتؒ کی ایماء پر یاد سے وہ شعر سنائے جن میں ایک شعر یہ تھا:

وقد قيل إن المعجزات تقدم		لما يرتقي فيه الخليفة في مدى

میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم بے حد محظوظ ہوتے رہے۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی مصنف نے بقصدِ تقریظ لکھوانے کے لیے کوئی کتاب حضرتؒ کے سامنے پیش کی اور ظاہر ہے کسی اہم موضوع پر کوئی محقق سنجیدہ اہلِ قلم یا معیاری مصنف علمی کتب خانوں کی اس فروانی میں کیا کسر باقی رکھے گا، لیکن دیکھا یہ گیا کہ حضرتؒ سرسری نظر میں اہم ترین اصلاحات فرما کر بیش قیمت اضافہ بھی فرمادیا کرتے تھے، جس سے مصنف حیرت میں پڑ جاتا تھا۔ افسوس کہ میں اس مختصر مقالے میں اس کے نظائر پیش نہیں کرسکتا۔ راقم الحروف کی کتاب ''نفحة العنبر'' میں اس کی کچھ مثالیں ملیں گی جو امام العصرؒ کی حیات کے چند صفحے اب سے اٹھارہ بیس برس قبل راقم کے قلم سے بطور نقشِ اول نکل چکے ہیں اور اس حیرت انگیز کمال پر یہ کمال کہ جب تک کوئی شخص خود مسئلہ نہ دریافت کرے اپنی طرف سے کبھی سبقت نہ فرماتے تھے۔ درحقیقت اس حیرت ناک علمی تجربہ کے ساتھ وقار وسکون اور علم کے اس متلاطم سمندر کے ساتھ یہ خاموشی امام العصرؒ کی مستقل کرامت ہے۔

مخدوم ومحترم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کا ایک بلیغ جملہ اس حقیقت کے چہرے سے پوری نقاب کشائی کرتا ہے، فرماتے ہیں:

''مرحوم کی مثال ایک ایسے سمندر کی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو اور اندر کی گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے معمور ہوں۔'' (معارف، غالباً جون ۱۹۳۳ء)

غرض یہ کہ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس محیر العقول جامعیت، تبحُّر، کثرتِ معلومات، وسعتِ مطالعہ، حیرت ناک استحضار وقوتِ حفظ کے شوق سے کبھی تالیف وتصنیف کا ارادہ نہیں فرمایا اور اُمت کے دل میں یہ تڑپ رہی کہ کاش! کسی اہم کتابِ حدیث پر کوئی خدمت یادگار چھوڑ جاتے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرمادیتے تو پس ماندگان کے لیے سرمایہ ہوتا، غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ: ''زندگی میں نبی کریم ﷺ کی احادیث کو پڑھا کر پیٹ پالا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی خدمت بکتی رہے۔'' ہاں! دینی اور کچھ علمی شدید تقاضوں کی وجہ سے چند رسائل یادگار چھوڑ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ علمی دنیا کچھ ان کی علمی تحقیقات وخصوصیات سے مستفید رہے۔ نیز ان کے تلامذہ واصحاب کی وساطت سے بھی اچھا خاصا اُن کے علمی کمالات کا ذخیرہ اُمت کے ہاتھ آیا۔ اس طرح یہ محققِ یگانۂ عصر حاضر، جامع الکمالات امام دنیا میں علم کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکا۔ میرے

ناقص علم میں غیر منقسم ہندوستان کی سرزمین میں جامعیت وتبحُّر کے اعتبار سے ایک حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد حضرت امام العصر کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر نہیں ملے گی۔ ہندوستان کے غیر مقلد حضرات کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر بھی چند رسائل کی تالیف کی نوبت آئی جن میں ''فاتحہ خلف الامام''، ''رفع یدین''، ''مسئلہ وتر'' زیرِ بحث آئے ہیں، ضمناً اور بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ فتنۂ قادیانیت کی تردید کے سلسلہ میں چند تالیفات فرماچکے ہیں جن میں اُمتِ محمدیہ کے قطعی عقیدے ''ختمِ نبوت'' کی تحقیق بھی آگئی ہے جو دینِ اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس طرح کفروایمان کا مدار جن امور پر ہے ان کی تحقیق واضح طور سے ہوگئی۔ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدے کی تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ اس طرح علم کلام کے چند مشکل ترین مسائل کا فیصلہ بھی فرماچکے ہیں۔

حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفی خصوصیات

''فیض الباری'' کے مقدمہ، صفحہ:۲۱ پر راقم نے لکھا تھا:

''ومنها أنهٗ کان عنی بحل المشکلات أکثر منه بتقریر الأبحاث وتکریر الألفاظ. ومنها أنهٗ کان یهمهٗ إکثار المادة فی الباب دون الإکثار فی بیانها وإیضاحها ...... ثم إن هذا الإیجاز فی اللفظ والغزارة فی المادة أصبح لهٗ دأبا فی تدریسه وتالیفه وکان کما قال علیؓ: ما رأیت بلیغاً قط إلا ولهٗ فی القول إیجاز وفی المعانی إطالة، حکاه ابن الأثیر الأدیب (فی المثل السائر) وکأنَّ رأیهٗ ما کشف عنه ابن الندیم فی الفهرست: ''النفوس (أطال اللّٰه بقاءک) تشرئب إلی النتائج دون المقدمات وترتاح إلی الغرض المقصود دون التطویل فی العبارات'' وبلغنی أن حکیم الأمة الشیخ التهانوی یقول: إن جملة واحدة من کلام الشیخ ربما تحتاج فی شرحها وإیضاحها إلٰی تالیف رسالة۔''

''من جملہ حضرت شیخ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ زیادہ تر اہتمام مشکلات کے حل کرنے کا فرماتے تھے، بحثوں کو پھیلانے اور الفاظ بار بار استعمال کرنے پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔ نیز یہ کوشش فرماتے تھے کہ موضوع کے متعلق مادہ زیادہ پیش کیا جائے، اس کی توضیح وتشریح کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے۔ لفظوں میں اختصار اور معانی میں کثرت اُن کی طبیعت وعادت بن گئی تھی، خواہ تدریس میں ہو یا تصنیف وتالیف میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جب کسی بلیغ کو دیکھا تو یہ دیکھا کہ الفاظ کے اختصار کے ساتھ معانی میں تفصیل کرتا ہے۔ ابن ندیمؒ کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں: ''طبیعتیں نتائج کی منتظر رہتی ہیں، نہ کہ مقدمات کی اور مقاصد سے خوش ہوتی ہیں، نہ کہ صرف عبارت کی طوالت سے۔'' مجھے پہنچا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے کہ: ''بسا اوقات

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جملہ کی تشریح میں ایک رسالہ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''**یتیمة البیان مقدمة مشکلات القرآن**''صفحہ:۸۳ میں اور''**نفحة العنبر**''صفحہ:۱۰۵ پر راقم الحروف نے حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفی خصوصیات کو وضاحت وتفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

''جامعیت ودقتِ نظر وسرعتِ انتقالِ ذہنی وکثرتِ آمد کی بنا پر طبیعت اختصار کی عادی بن گئی تھی۔معلومات کی فراوانی کی وجہ سے ضمنی مضامین کثرت سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کے لطائف میں جب علمِ عربیت وبلاغت کے نکات کا بیان شروع ہوجاتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علمِ عربیت کی تحقیقات ہی شاید کتاب کا اصلی موضوع ہیں۔مفیدترین وعمدہ ترین مآخذ سے وہ نقول پیش فرمایا کرتے جن سے محققانہ شروحِ حدیث کا دامن بھی خالی ہوتا تھا، افسوس کہ اختصار کی وجہ سے میں اس کی مثالیں پیش نہیں کرسکتا۔

اس لیے عام نگاہیں ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور بہ مشکل عام طبیعتیں لذت اندوز ہوتی تھیں۔حضرت کے مختصر سے مختصر رسالے کے لیے بھی سارے علوم سے نہ صرف مناسبت بلکہ مہارت ضروری ہے۔ان تصانیف کی صحیح قدر دانی وہی عالم کرسکتا ہے کہ کسی موضوع میں ان کو مشکلات پیش آئی ہوں اور پورے متعلقات کی چھان بین کر چکا ہو اور تشفی نہ ہوئی ہو، پھر حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف کی غور سے مطالعہ کی توفیق ہو، اس وقت قدر شناسی وقدر دانی کی نوبت آئے گی اور حقائقِ مطلوبہ کے چہرے سے پردے ہٹتے چلے جائیں گے، خالی ذہن غیر مبتلا شخص جس کو کبھی کسی مشکل کی خلش ہی پیش نہ آئی، سطحی مضامین وشگفتہ عبارت سے مانوس ہو وہ کبھی قدر نہیں کرسکتا۔''

حضرت استاذِ محترم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم فرماتے تھے کہ:

''حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب''**کشف الستر عن صلاة الوتر**''کی قدر اس وقت ہوئی کہ اس مسئلے پر جتنا ذخیرہ حدیث کا مل سکا سب کا مطالعہ کیا، پھر رسالہ مذکورہ کو اول سے آخر تک بار بار پڑھا، اس کی صحیح قدر ہوئی۔''

اب میں اس مختصر تمہیدی مضمون کو امام مسروق بن الاجدع رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۳ھ کے ایک تاریخی کلام پر ختم کرتا ہوں جس کو امامِ تاریخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب''**الطبقات**''میں ذکر کیا ہے، طبقات ابن سعد (جلد:۲، ص:۱۱۵) باسنادِ صحیح' مسروق سے روایت ہے، مسروق رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں، مخضرم ہیں، یعنی عہدِ نبوت کو پاچکے ہیں، فرماتے ہیں:

’’لقد جالست أصحابَ محمد صلی اللّٰه علیه وسلم فوجدتُهم کالإخاذ فالإخاذ یروی الرجلَ، والإخاذ یروی الرجلین والإخاذ یروی العشرةَ والإخاذ یروی المائةَ والإخاذ لو نزل به أهلُ الارض لأصدرهم ، وجدت عبد اللّٰهؓ بن مسعود من ذلک الإخاذ۔‘‘

’’نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال تالابوں وحوضوں جیسی ہے، یعنی چھوٹا وبڑا کوئی تالاب ایک آدمی کی سیرابی کے لیے ہوتا ہے، کوئی دو کے لیے، کوئی دس کے لیے اور بعض ایسے تالاب ہیں اگر روئے زمین والے سب پینے کے لیے آئیں تو سب سیر ہوکر جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مثال اسی تالاب کی ہے۔‘‘

راقم الحروف کہتا ہے کہ علماء امت کی مثال بھی یہی ہے اور حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مثال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ان کا وجود بامسعود پوری اُمت کی سیرابی کے لیے کافی تھا۔

اب ان تصانیف کی فہرست پیش کرتا ہوں جو حضرت اپنے قلم حقیقت رقم سے تالیف فرما چکے ہیں:

امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف

۱: ......عقیدة الإسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام

یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، عقیدۂ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی کیا ہدایات ہیں اس کی تفصیل ہے، اس میں احادیث کا استقصاء واستیفاء نہیں کیا گیا ہے، بقدرِ ضرورت ضمناً احادیث کا ذکر ہے، اس لیے اس کا دوسرا نام ہے: ’’حیات المسیح بمتن القرآن والحدیث الصحیح‘‘۔ ضمنی مسائل کی تحقیقات کئی آ گئی ہیں: عقیدہ حدوثِ عالم، عقیدہ ختم نبوت، کنایۂ حقیقت ہے یا مجاز؟! ذوالقرنین ویاجوج ماجوج کی تحقیق، سدِ ذی القرنین کی تعیین وغیرہ وغیرہ۔ حضرت شیخ عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: ’’یہ کتاب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب کتابوں میں واضح ومفصل وشگفتہ ہے۔‘‘

۲: ......تحیة الإسلام فی حیاةِ عیسیٰ علیہ السلام

یہ کتاب ۱۵۰ صفحات کی ہے۔ ’’عقیدة الإسلام‘‘ کی تعلیقات اور اس پر اضافات ہیں، ادب وبلاغت کی عجیب وغریب ضمنی تحقیقات آ گئی ہیں۔

۳: ......التصریح بما تواتر فی نزول المسیح علیہ السلام

نزولِ مسیح علیہ السلام کے متعلق احادیث وآثارِ صحابہؓ کو اس میں بہت تفتیش ودیدہ ریزی سے جمع

کیا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ جاتی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر ایک نفیس مقدمہ بھی ہے۔

۴: ......إكفار الملحدين في ضروريات الدين

۱۲۸ صفحہ کا ایک عجیب وغریب رسالہ ہے جس میں کفر وایمان کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی اور اُصولی طور پر بحث کی گئی ہے کہ مدارِ ایمان کیا کیا اُمور ہیں اور کن عقائد واعمال کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، کسی قسم کے عقائد میں تاویل کرنا بھی موجبِ کفر ہے!!۔

اسی موضوع پر اُمت میں سب سے پہلے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم اٹھایا تھا، ''**فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة**'' ان کا رسالہ مصر وہندوستان میں عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے، اس رسالہ کی عمدہ تحقیقات حضرت شیخ نے چند سطروں میں نقل فرمائی ہیں۔ عصرِ حاضر میں یہ ایک اہم ترین خدمت تھی، وہ حضرتؒ نے پوری فرمادی، اس پر سارے علماء دیوبند کی رائیں اس لیے لکھوادی ہیں، تاکہ اہلِ حق کی جماعت میں اس اہم ترین مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

۵: ......خاتم النبیین ﷺ

یہ عقیدۂ ''ختم نبوت'' میں عجیب رسالہ ہے جو ۶۶ صفحات پر پھیل گیا ہے، فارسی زبان میں ہے، لیکن دقیق، حضرتؒ کا خاص اُسلوب، علمی کمالات اور وہبی علوم کے نمونے پورے طور جلوہ آراء ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے بھی ایک دفعہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ: ''بہت دقیق ہے، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔''

۶: ......فصل الخطاب في مسئلة أم الكتاب

مسئلہ ''فاتحہ خلف الامام'' جو عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک معرکۃ الآراء موضوع رہا ہے، اس پر ۱۰۶ صفحات کا محققانہ رسالہ ہے۔ حدیثِ عبادہؓ بروایت محمد بن اسحاق کی عجیب وغریب تحقیق کی گئی۔ بڑی تدقیق کے ساتھ اس اہم موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ لفظ ''**فصاعدا**'' کی تحقیق میں ۱۲، ۱۳ صفحات پر مشتمل دقیق ترین مضمون آ گیا ہے۔ یہ مضمون چونکہ عام دسترس سے بالکل باہر تھا، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''**معارف السنن**'' شرح ترمذی (مخطوط) میں اس کی جدید اسلوبِ عصری سے تحلیل تشریح کی ہے اور شگفتہ عربی میں اس کی تسہیل کی کوشش کی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی مرحوم کو ڈابھیل میں جب یہ مضمون سنایا تو بہت محظوظ

ہوئے اور بے ساختہ فرمایا کہ:

''حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے کہ اس مشکل ترین، دقیق و غامض مضمون کی ایسی افصاح کی کہ شاید مقدور میں اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔''

۷: ......خاتمة الخطاب فی فاتحة الکتاب

مسئلۂ فاتحہ خلف الامام پر فارسی زبان میں لطیف رسالہ ہے اور بلامراجعتِ کتاب دو روز میں محرم ۱۳۲۰ھ میں تالیف فرمایا ہے، مسئلہ پر جدید انداز میں استدلال ہے۔ حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر تقریظ بھی ہے، حضرت شیخ نے دقتِ نظر کی خوب داد دی ہے۔

۸: ......نیل الفرقدین فی مسئلة رفع الیدین

۱۴۵؍صفحات پر مشتمل ہے۔ مسئلہ خلافیۂ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کو اُٹھانے کے موضوع پر نہایت عجیب انداز میں تحقیق فرمائی ہے اور نہایت انصاف سے محققانہ انداز میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف عہد صحابہؓ سے ہے اور اس میں اولویت کا اختلاف ہے، جائز ناجائز کا اختلاف نہیں۔ ضمنی طور پر بہت نفیس مباحث آ گئے ہیں۔

۹: ......بسط الیدین لنیل الفرقدین

سابق الذکر موضوع پر ۶۴؍صفحہ کا رسالہ ہے، یہ رسالہ سابق ''نیل الفرقدین'' کا تکملہ ہے، اس موضوع پر قدماء محدثین سے لے کر متأخرین اور عصر حاضر تک بہت کچھ خامہ فرسائی ہوچکی ہے، اس پائے مال موضوع پر ایسے محققانہ اسلوب میں جدید استدلالات، دقیق استنباطات پیش کرنا یہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حصہ ہے۔ الشیخ الامام محمد زاہد الکوثریؒ اپنی کتاب ''**تأنیب الخطیب فیماساقهٗ فی ترجمة أبی حنیفةؒ من الأکاذیب**'' ص:۸۴ میں رقم طراز ہیں:

''**وهذا البحث أی رفع الیدین طویل الذیل أُلفت فیه کتب خاصة من الجانبین ومن أحسن ما ألف فی هذا الباب نیل الفرقدین وبسط الیدین کلاهما لمولانا العلامة الحبر البحر محمد أنور شاه الکشمیری وهو جمع فی کتابیه اللبابَ، فشفی وکفی۔**''

''رفع الیدین کے موضوع پر جانبین سے مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس موضوع کی بہترین کتابیں علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی دو کتابیں ہیں: نیل الفرقدین وبسط الیدین، جن میں سارا لب لباب آ گیا ہے اور یہ شافی وکافی ہے۔''

درحقیقت صحیح قدردانی ایسے محققین ہی کرسکتے ہیں۔

۱۰:......کشف الستر عن صلاۃ الوتر

مسئلہ ’’وتر‘‘ کے بارے میں ہے۔ اُمت میں جو اختلافات چلے آئے ہیں، کل خلافیات سولہ سترہ تک پہنچ جاتے ہیں، ان میں جو مشکل ترین وجوہ ہیں ان کی ایسی تحقیق و فیصلہ کن تدقیق فرمائی ہے کہ کسی منصف مزاج کو مجالِ انکار باقی نہیں رہتا۔ رسالہ ۹۸ صفحوں میں تمام ہوا۔ دوسرے ایڈیشن میں بمقدار ایک ثلث تعلیقات کا اضافہ فرمایا ہے۔ مسئلہ آمین بالجہر، وضع الیدین علی الصدور وغیرہ مسائل کی تشفی کن تحقیق فرمائی گئی ہے۔ شروع میں خطبہ کے بعد ایک فصیح و بلیغ عربی کا قصیدہ جو نہایت ہی مؤثر اور رقت انگیز ہے، ہر حیثیت سے قابلِ دید ہے۔

۱۱:......ضرب الخاتم علی حدوث العالم

’’حدوثِ عالم‘‘ علم کلام و فلسفہ کا معرکۃ الآراء موضوع ہے۔ متکلمین و فلاسفۂ اسلام نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ مستقل رسائل کا موضوعِ بحث رہا ہے۔ شیخ جلال الدین دوانیؒ نے بھی اس پر ایک رسالہ ’’الزوراء‘‘ کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا ہے اور الٰہیات و طبعیات اور قدیم و جدید فلسفہ کی رو سے اتنی کثرت سے دلائل و براہین قائم کیے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور ’’حدوثِ عالم‘‘ کا مسئلہ نہ صرف یقینی بلکہ بدیہی بن جاتا ہے، لیکن افسوس کہ حضرتؒ نے ان براہین و دلائل و شواہد کو چار سو شعر میں منظوم پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شعر کا دامن تفصیلات سے خالی رہتا ہے، لیکن اس کے ایضاح و حل کے لیے ہزاروں حوالے کتبِ متعلقہ کے دے دیئے گئے، جن میں صدر شیرازی کی ’’اسفارِ اربعۃ‘‘، فرید وجدی بستانی کے ’’دائرۃ المعارف‘‘ خصوصیت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف نے حضرتؒ کے حکم سے متعلقہ حوالہ جات تقریباً ایک سو صفحات میں بڑی عرق ریزی سے جمع کیے تھے، جس سے حضرت بے حد مسرور تھے اور میری اس ناچیز خدمت کو ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے سامنے بہت سراہا تھا۔ فرماتے تھے کہ: اصل موضوع تو ’’اثباتِ باری‘‘ تھا، لیکن عنوان میں ایک قسم کی شناعت تھی، اس لیے ’’حدوثِ عالم‘‘ کا عنوان تجویز کیا اور آخر میں دونوں کا مفاد ایک نکلتا ہے۔

۱۲:......مرقاۃ الطارم لحدوث العالم

سابق الذکر موضوع پر ۶۲ صفحات میں رسالہ ہے، رسالہ کیا ہے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں ادلہ و براہین کے استقصاء کا ارادہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ ’’ضرب الخاتم‘‘ کے لیے

مقدمات وتشریح وتفسیر کا کام دیتا ہے۔ نظائر وشواہد موضوع پر اتنے پیش کیے ہیں کہ عقلی برہان سے پہلے ذوق ووجدان فیصلہ کرلیتا ہے۔ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری جو قاہرہ میں جلاوطنی کے بعد مقیم تھے اور ردِ مادیین ودہریین میں نہایت ہی متخصص جلیل القدر عالم تھے، ترکی وعربی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں تالیف فرماچکے تھے۔ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں یہ رسالہ اُن کو راقم الحروف نے دیا تھا۔ مطالعہ فرمانے کے بعد اتنے متأثر ہوئے اور فرمایا کہ: ''میں نہیں جانتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں زندہ ہے۔'' اور پھر فرمایا:

> ''إنی أفضِّل ہذہ الوریقات علی جمیع المادۃ الذاخرۃ فی ہذا الموضوع وإنی أفضلہا علی ہذہ الأسفار الأربعۃ للصدر الشیرازی۔''
>
> ''یعنی جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جاچکا ہے، اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اس اسفارِ اربعہ (جو آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھی) اتنی بڑی کتاب پر اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں۔''

وہ اس وقت ''القول الفیصل'' کے نام سے ردِ دہریین میں ایک مبسوط کتاب تالیف فرمارہے تھے۔ اس میں اس رسالہ سے بہت نقول لیے اور اس کتاب میں اس رسالہ کی بڑی تعریف کی، ایک حصہ اس کا طبع ہوچکا ہے، نہ معلوم یہ عبارت اس حصہ میں آگئی یا نہیں۔ ضمناً اس رسالہ میں کلام وتصوف، الٰہیات وطبعیات کے بہت سے حقائق کا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

۱۳:......ازالۃالرین فی الذبِّ عن قرۃ العینین

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین رضی اللہ عنہما'' کا حیدرآباد دکن میں کسی شیعی مزاج عالم نے رد لکھا تھا۔ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں اس کی تردید لکھی۔ نہایت عمدہ کتاب ہے، ۱۹۶ صفحات میں پھیل گئی ہے۔ اس میں ''قال المولی المؤلف'' کہہ کر شاہ دہلویؒ کی عبارت نقل فرماتے ہیں۔ ''قال المعترض'' سے تردید کرنے والے کی عبارت اور ''أقول'' سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے کشمیر میں ملا تھا، ابتداء سے ۸ صفحے غائب ہیں، اس لیے نام مجھے نہ معلوم ہوسکا اور سوءِ اتفاق سے حضرت شیخ سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی۔ ''إزالۃ الرین'' میرا تجویز شدہ نام برائے نام ہے۔

۱۴:......''سہم الغیب فی کبد أہل الریب'' تاریخی نام: ''قسیّ سہم الغیب''

ہندوستان کی سرزمین جہاں بدقسمتی سے بہت سی بدعات اور عقائدِ شرکیہ بعض سادہ لوح

مسلمانوں میں رائج ہوگئے ہیں، ایک ان میں سے ''علم غیب'' کا عقیدہ ہے اور سید احمد رضا خان صاحب بریلوی اور اُن کے اَتباع نے اس کو علمی رنگ میں پیش کیا اور ایک عرصہ تک ہندوستان میں یہ موضوعِ بحث رہا۔ ایک شخص بریلوی نے اس میں ایک رسالہ لکھا اور اہلِ حق کے مسلک کے خلاف اپنے نامۂ عمل اور نامۂ قرطاس کو سیاہ کیا، اور اپنا نام عبدالحمید دہلوی ظاہر کیا۔ حضرت شیخ کا قیام اس زمانہ میں دہلی میں تھا، آپ نے جواب ترکی بہ ترکی عبدالحمید بریلوی کے نام منسوب کرکے اس کا جواب شائع فرمایا۔ رسالہ کے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمہما اللہ کے مناقب میں عربی میں ایک قصیدہ ہے۔ رسالہ کی زبان حضرت شیخ کے عام تصنیفی مذاق کے خلاف اُردو ہے۔ یہ چودہ تصانیف تو امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ ہیں کہ اپنے قلم سے تالیف فرما چکے ہیں۔

امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری قسم کی مصنفات

دوسری قسم کی وہ تصنیفات ہیں کہ آپ کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہیں، اس کا ذکر کرنا بھی میرے خیال میں ضروری ہے:

۱:......مشکلات القرآن

قرآن کریم کی جن آیاتِ کریمہ کو مشکل خیال فرمایا تھا، خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے، سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے یا علوم عربیت و بلاغت کی جہت سے ہو اُن پر یادداشت مرتب فرمائی تھی، اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے، اس کو نقل فرمایا، یا حوالہ دیا، اور نہیں تو خود وغور وفکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔ یہ یادداشت بشکلِ مسودات مختلف اوراق میں موجود تھی۔ مجلس علمی ڈابھیل نے مرتب کرکے اُسے شائع کیا اور راقم الحروف نے مجلسِ علمی کی خواہش پر ''یتیمۃ البیان'' کے نام سے ۴۰ صفحہ کا اس کا مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ اصل کتاب ۲۸۷ صفحات پر ختم ہوئی۔ قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے، اگر جدید اسلوب میں اس کو پھیلایا گیا تو ایک ہزار صفحات میں کہیں جا کر کتاب ختم ہوگی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے متعلق کچھ اور مسودات بھی نکل آئے تھے، جن کی زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔

۲:......خزینة الأسرار

یہ ایک رسالہ ہے جس میں کچھ اَوْرَاد واَدْعِیَہ، کچھ مجربات واذکار وغیرہ جمع کیے گئے ہیں۔ یہ سب علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' کے اقتباسات ہیں۔ کہیں کہیں حضرت شاہؒ

کی طرف سے اضافات بھی ہیں۔ یہ رسالہ حضرت کے قدیمی مسودات جو کشمیر میں تھے ان میں دستیاب ہوا تھا۔ مجلس علمی ڈابھیل نے اس نام سے شائع کیا۔

۳: ......فیض الباری بشرح صحیح البخاری

یہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ صحیح بخاری کی املائی شرح ہے، جس کو حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سال کی محنت وعرق ریزی کے بعد فصیح وبلیغ عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ یہ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وکمالات کی سچی تصویر پیش کرتی ہے، جہاں حافظ شیخ الاسلام بدر الدین عینی اور قاضی القضاۃ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ محقق شارحین عاجز آ گئے ہیں، وہاں شیخ کے خصائص وکمالات جلوہ آرا نظر آئیں گے۔ زیادہ تر اعتناء انہی معارفِ حدیث کا کیا گیا، جہاں شارحین ساکت نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ کے آخری عمر کے مجرب علوم واذواق، خصوصی احساسات وعلمی خصوصیات دقتِ نظر وتحقیقی معیار کے نمونے' اہل علم ویارانِ نکتہ داں کے لیے صلائے عام دے رہے ہیں۔ یہ چار ضخیم جلد کا بحرِ بے کراں مصر میں آب وتاب سے شائع ہوا ہے۔ قرآن وحدیث، فلسفہ وکلام ومعانی وبلاغت وغیرہ کے نہایت بیش بہا ابحاث سے مالا مال ہے۔ اس پر راقم الحروف اور حضرت جامع ومرتب کے قلم سے دو مبسوط مقدمے ہیں۔ ۸۰/صفحات پر مشتمل ہیں، عام عبارت نہایت شگفتہ وسلیس ہے۔ بعض بعض مقامات میں خاصی ادبی لطافت ہے۔

۴: ......العرف الشذی بشرح جامع الترمذی

یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی درسِ جامع ترمذی کی املائی شرح ہے، جس کو جناب مولانا محمد چراغ صاحبؒ ساکن ضلع گجرات نے بوقتِ درس قلم بند کیا ہے اور زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہے اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ جامع ترمذی کے مشکلاتِ احادیثِ احکام پر محققانہ کلام، ہر موضوع پر عمدہ ترین کبارِ اُمت کے نقول اور حضرت کی خصوصی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ طلبۂ حدیث اور اساتذۂ حدیث پر عموماً اور جامع ترمذی کے پڑھانے والوں پر خصوصاً اس کتاب کا بڑا احسان ہے۔

۵: ......أنوار المحمود فی شرح سنن أبی داود

یہ سنن ابی داؤد کے درس کی املائی تقریر وشرح ہے، جس کو مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی ومرحوم نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ کل دو جلدوں میں ہے۔ مرتب جامع نے بہت سی کتابوں کی اصلی نقول کو مراجعت کر کے لفظ بلفظ درج کر دیا ہے۔ کتاب کے تسمیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اور ان

کے شیخ حضرت شیخ الہندؒ کے نام کی تلمیح کی گئی ہے ۔

۶ :......صحیح مسلم کی املائی شرح

سنا ہے کہ ہمارے محترم دوست فاضل گرامی جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے صحیح مسلم کے درس کی تقریر قلم بند فرمائی تھی ، یہ اب تک نہ طبع ہوئی ، نہ راقم الحروف کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔

۷ :......حاشیہ سنن ابن ماجہ

جناب محترم مولانا سید محمد ادریس سکروڈوی سے سنا تھا کہ آپ نے سنن ابن ماجہ پر کتاب کے حواشی وہوامش پر تعلیقات اپنے قلم سے لکھی تھیں ۔ راقم الحروف کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ۔ یوں تو حضرت نے جن کتابوں پر تعلیقات لکھی ہیں ، اگر استقصاء کیا جائے تو متعدد کتابیں نکل آئیں گی ۔

’’**الأشباہ والنظائر**‘‘ جو ابن نجیم کی فقہ میں مشہور کتاب ہے ، اس پر تعلیقات حضرتؒ کے قلم سے خود میں نے کشمیر میں دیکھی ہیں ۔

یہ کل اکیس کتابیں ہوئیں ، جن سے حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کے کچھ پہلو نمایاں ہوسکتے ہیں ۔ کتاب کی پوری حقیقت اس وقت منکشف ہوتی کہ کتاب کے مضامین یا خصوصیات کا واضح تعارف کراتا اور جن مشکل ابحاث میں حضرتؒ کے کمالات نظر آرہے ہیں ان کی تفصیلات سامنے آتیں ، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کسی مقالے کے لیے موزوں نہیں ، تفصیلی تبصرہ اور علوم ومعارف کے نمونے پیش کرنے کے لیے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے ۔

راقم الحروف کی کتاب ’’**نفحۃ العنبر**‘‘ میں جو حضرتؒ کی حیات طیبہ کے چند صفحے ہیں ، اس میں کچھ تفصیلات ناظرین کو ہاتھ آئیں گی ۔ تالیفات کے متعلق جو کچھ وہاں لکھا ہے اگر اس کی تشریح ہی کی جائے تو اس مقالہ سے کہیں زیادہ ہوگا ۔ اس وقت بہت عجلت وارتجال میں چند سطریں لکھنے کی توفیق ہوئی ۔ حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا کوئی گوشہ بھی لیا جائے تو تفصیل کے لیے داستان کی ضرورت ہے اور جی چاہتا ہے کہ قلم اپنی جولانیاں دکھلاتا رہے :

مدحتُک جهدی بالذی أنت أهله		فقصر عما صالح فیک من جهدی

میں نے چاہا کہ جس تعریف کے مستحق ہیں ، اتنی تعریف کرسکوں ، لیکن میری کوشش ناکام رہی ۔

فما کل مافیه من الخیر قلتُهُ		ولا کل مافیه یقول الذی بعدی

جو کمالات ان میں ہیں نہ میں کہہ سکا اور نہ میرے بعد آنے والا کہہ سکے گا ۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ   ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(دسویں قسط)

﴿ مکتوب:......۱۷ ﴾

بخدمت صاحبِ فضیلت، نابغۂ زمانہ، محققِ نکتہ بیں، سلالۂ مجد، مولانا سید محمد یوسف بنوری حفظہٗ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا والا نامہ اور قیمتی کتب موصول ہوگئیں، انتہائی توجہ پر آپ کا بے حد شکر گزار ہوں، آپ کی پرنور کتابوں سے مستفید ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ یہ کام آپ کے ہاتھوں قریبی مدت میں ہی مکمل ہو، اور خیر وعافیت کے ساتھ اس جیسی بہت سی تالیفات کی توفیق ارزاں ہو۔

مجلد مجموعے کی ترسیل کی خاطر آپ نے بہت تکلیف اُٹھائی، میری خواہش تھی کہ رسالے کے حصول میں کامیابی تک یہ کام مؤخر ہوجاتا، آپ کی جانب سے ''عبقات''[(۱)] کا ذاتی نسخہ بھیجنے کا عزم مجھ پر گراں گزرا، اس لیے کہ میرا مقصد آپ کو کتاب سے محروم کرنا نہیں، اگر چہ اس میں بڑا ایثار ہے، اللہ سبحانہٗ آپ کو اس عظیم فیاضی کا بدلہ عنایت فرمائے۔

مولانا جلیل القدر والد محترم سے ان کی بابرکت دعاؤں کا متمنی ہوکر دست بوسی کرتا ہوں۔ توقع ہے کہ آپ بوقتِ ملاقات میری نیابت فرمائیں گے۔ آپ کے لیے سعادت مند سفر اور کامیاب واپسی کی تمنا ہے۔

شاہ صاحبؒ [(۲)] اور ان کے پوتے [(۳)] کے ہاں (خاص طور پر) ابراہیم کورانی کے بیٹے [(۴)] سے کتبِ ستہ (کی اسانید) حاصل کرنے کے لیے دادا (شاہ صاحبؒ) کے حجاز کے سفر [(۵)] کے بعد ایسے

مباحث ملتے ہیں جو ہمیں نہیں بھائے، انہوں نے ''اُصولِ ستہ'' (کی اسانید) حاصل کر کے بہت اچھا کیا، لیکن 'تجلی فی الصور '' کے نام سے (علامہ) ابن تیمیہ و شیخ اکبر (ابن عربی رحمہما اللہ) کی آراء کے جمع و تطبیق (۶) کے حوالے سے کورانی کی ناپختہ آراء کو قبول کرنا ایسا عمل ہے جس سے صحیح سالم نگاہ (رکھنے والے صاحبِ علم) کو ناگواری ہوتی ہے۔

پھر (حنفی) مذہب کے حوالے سے ان کے کاموں اور ابن تیمیہ و ابن قیم (رحمہما اللہ) کی آراء کی اشاعت نے ہندوستانی معاشرے کو بہت نقصان پہنچایا ہے (۷)، اگرچہ دادا (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی قابلِ قدر خدمات بھی ہیں۔ (۸) دیرینہ تمنا تھی کہ وہ تصوف کے حوالے سے امام ربانیؒ (مجد دِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ) (۹) کے مزاج و مذاق پر قائم رہتے، 'تجلی فی الصور ''و''قدم'' جیسی شاذ آراء کی جانب ناپسندیدہ میلان ظاہر نہ کرتے اور اصول وفروع میں جماعت (اہلِ حق) کے ساتھ رہتے۔ ''تجلی فی الصور ''-جس کے دل دادہ' تصوف کے متعلق لکھنے والے بہت سے مؤلفین ہیں- ایک خطرناک بحث ہے، جو ہم سے پچھلوں کے عہدِ قدیم وعہدِ جدید کے مطابق ہے۔ آراء کے درمیان اس نوع کی تطبیق کھوکھلے الفاظ کی تعبیر ہے، جن کے پسِ پشت معانی نہیں ہوا کرتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ پھر فروعی مسائل اور فقہ وحدیث کی تاریخ کے بارے میں ان کا کلام، حقیقت اور انصاف سے دور ہے، ہماری تمنا تھی کہ وہ ان (اُمور) سے دور رہتے۔

بعض اوقات متشرع صوفیہ بھی ذوقی علوم کے حوالے سے ایسی گفتگو کر دیتے ہیں کہ تعبیر' تنگ دامنی کا شکار ہو جاتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہم ان کے راہرو بننے سے اور عقل وفہم پر مبنی تعبیر اختیار کرتے ہوئے ذوقیات میں پڑنے سے دور رہیں، ان ذوقیات کو ہم ان کے حاملین کے لیے چھوڑ دیں، اور ہم اپنی سلامتی کی خاطر عقلی دائرے میں رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا طلب گار ہوں۔

شاہ صاحبؒ کا اُصولِ ستہ کی احادیث کو بلا چھان پھٹک قبول کر لینا بھی علمی اعتبار سے پسندیدہ (طرزِ عمل) نہیں (۱۰)، وہ خاص طور پر عقیدہ میں (نئے) محاذ کھول جاتے ہیں، اس سلسلے میں طویل گفتگو ہے۔

جس موضوع کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کے متعلق لکھی گئی کتابوں کے حوالے سے میں یہاں (اصحابِ علم و مالکانِ کتب خانہ سے) دریافت کر رہا ہوں، اگر اس بارے میں مفید کتب کے حصول میں کامیابی ہوئی تو ''النظرة'' کے ہمراہ بذریعہ ڈاک ارسال کر دوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! میری رائے میں اس بحث کو نرمی سے (۱۱) چھونا چاہیے، اس لیے کہ شر بہت بڑھ چکا ہے، اور اس کی (روک تھام اور خاتمے کے) لیے محض گفتگو کے بجائے اُسے روک لگانے والی قوت وطاقت کی ضرورت ہے۔

آپ کو عیدِ سعید مبارک ہو، میرے انتہائی عزیز بھائی! آپ کی بابرکت دعاؤں کا امیدوار ہوں۔

(آپ کا) بھائی

محمد زاہد کوثری

۲۵ رمضان ۱۳۶۶ھ، شارع عباسیہ نمبر ۶۴

حواشی

۱:......عبقات: شاہ محمد اسماعیل بن عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے، آگے مکتوب نمبر: ۲۶ میں بھی اس کتاب کا ذکر آرہا ہے۔

۲:......حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔

۳:......شاہ محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ: علم و زہد اور جہاد و عزیمت میں اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم، سنہ ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۴۶ھ میں مظلومہ شہادت پائی۔ مفصل حالات کے لیے دیکھیے: ''**نزهة الخواطر**'' مولانا عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (ج:۷، ص:۹۱۴-۹۱۶)، ''**الأعلام**'' خیر الدین زرکلیؒ (ج:۶، ص:۳۸)۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''**نفحة العنبر**'' (ص:۶۷) میں ان کے لیے توصیفی کلمات تحریر کیے ہیں۔

۴:......شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم بن حسن کورانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ: ماہر فنون عالم تھے، سنہ ۱۰۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۵ھ میں راہی ملکِ بقا ہوئے۔ ملاحظہ کیجیے: ''**سلک الدرر**'' محمد خلیل آفندی مرادی (ج:۴، ص:۲۷) اور ''**الأعلام**'' زرکلی (ج:۵، ص:۳۰۴)۔

۵:......حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۱۴۳ھ میں حجاز کا سفر فرمایا تھا، اور ۱۱۴۴ھ میں شیخ ابوطاہر کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اجازتِ حدیث عنایت کی۔ یہاں کتبِ ستہ سے صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور سننِ اربعہ (سننِ نسائی، سننِ ترمذی، سننِ ابوداود اور سننِ ابن ماجہ) مراد ہیں۔ برصغیر میں ان کتابوں کو تغلیباً صحاح ستہ کہنے کا رواج ہے، لیکن محققین کتبِ ستہ کی تعبیر استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے شیخ کورانی سے سننِ نسائی اور صحیح مسلم کے کچھ حصے کا سماع نہیں کیا، البتہ باقی کتبِ ستہ (کامل)، موطا مالک، مسند احمد، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الرسالة**''، **الجامع الکبیر**، مسند دارمی، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الشفاء**'' کے ابتدائی حصے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الأدب المفرد**'' کے کچھ حصے کا سماع کیا ہے، نیز شیخ کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اجازتِ عامہ بھی دی ہے۔

۶:......شیخ ابوطاہر کورانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تئیں شیخِ اکبر ابن عربی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے عقائد کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس حوالے سے انہوں نے دو کتابیں ''**جلاء النظر مع بقاء التنزیه مع التجمع فی الصور**'' اور ''**مطلع الجود فی تحقیق التنزیه فی وحدة الوجود**'' ترتیب دی ہیں، جو قاہرہ (مصر) کے مکتبہ ازہریہ میں مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں۔

۷:......شاہ صاحب پر علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے اس نقد کے تناظر میں یہ نکتہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی میں مختلف ادوار گزرے ہیں، ان کی فکر اور فقہی مسلک پر ان گوناگوں احوال کے گہرے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک و مشرب کے متعلق اپنے ایک مقالے میں رقم طراز ہیں:

> ''شاہ صاحب کے فقہی مسلک کو سمجھنے کے لیے آپ کی علمی تاریخ کا پیشِ نظر ہونا بھی ضروری ہے، جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ممدوح نے شروع میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم وغیرہ علماء سے علوم حاصل کیے اور فقہ حنفی پڑھی۔ جب تک ہندوستان میں تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کو نہیں گئے تھے آپ پر فقہ حنفی کا اثر تھا، سنہ ۱۱۴۳ھ میں جب مدینہ منورہ پہنچے اور شیخ ابوطاہر کردی شافعیؒ سے تلمذ ہوا تو اس کے بعد فقہ شافعی کا اثر بھی ساتھ آتا گیا، اور ''**کتـــــاب الأم**'' جو امام شافعیؒ کی کتاب ہے، اس کے مطالعے سے فقہ شافعی کا اثر اور بڑھتا گیا۔ آخر میں امام مالکؒ کی کتاب مؤطا کی طرف بہت توجہ ہوئی اور اس کی عربی و فارسی میں دو شرحیں مختصر لکھیں اور اس کی وجہ سے مذہب مالکی کا اثر بھی آپ پر چڑھا، لیکن آپ اکثر امام مالکؒ کا مذہب، مؤطا کی روایتوں ہی کو ٹھہراتے ہیں، حالانکہ مالکیہ میں بہت سے مؤطا کے اقوال مہجور ہیں اور مذہب میں داخل نہیں۔ امام احمدؒ کا مذہب حقیقت میں امام شافعیؒ کے مذہب کی فرع ہے، بلکہ ظاہریت و اجتہاد میں ایک برزخ ہے، مشکل سے امام احمدؒ کا کوئی ایسا قول ملے گا (کہ) مذہبِ شافعیؒ کی کوئی روایت اس کے مطابق نہ ہو۔ غرض اس طرح سے آپ کی

طبیعت پر مذہبِ اربعہ کی فقہ اثرانداز ہوتی گئی اوراس کی خواہش ہوئی کہ ایک جامع مسلک اختیار کیا جائے، جس کے ذریعے مذاہب میں تطبیق وتوفیق ہوجائے۔'' (الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، لکھنؤ، مقالہ بعنوان: امام شاہ ولی اللہ اورحنفیت ازمولانا سیدمحمد یوسف بنوریؒ، طبع قدیم، ص:۳۶۹-۳۷۰)

آگے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس رائے کی تائید میں خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب ''کلماتِ طیبات'' کا اقتباس بھی درج کیا ہے۔ بہرکیف یہ وہ مختلف احوال ہیں جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات وافکار اورفقہی مسلک ومشرب اوراس حوالے سے ان کی تالیفات پراثرانداز ہوئے ہیں۔

۸:......نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں علم حدیث کی قلت کا تذکرہ کرنے اور پھر علمِ حدیث سے شغف رکھنے والے ہندی علماء کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''پھر ان کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ جلیل القدر شیخ، محدثِ اکمل، اس دور کے متکلم وحکیم اوراس طبقے میں فائق وقائد، شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ (متوفی:۱۱۷۶ھ) اوران کے (اہلِ علم) بیٹوں، پوتوں اورنواسوں جیسی راہنما شخصیات کو (اس خطۂ ارضی میں) لائے، جنہوں نے علم کی نشرواشاعت کے لیے جدوجہد کی، یوں علمِ حدیث ایک بھولی بسری داستان بننے کے بعد دوبارہ تروتازہ ہوکرلوٹ آیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اوران کی اولاد کے ذریعے اپنے بہت سے مومن بندوں کو فائدہ پہنچایا۔'' (دیکھیے: ''الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ'' ص:۲۵۶-۲۵۷)

علامہ عبدالحی کتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت اوران کے بیٹوں، نواسوں اورشاگردوں کے ذریعے ہندوستان میں حدیث وسنت کو مٹ جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اس خطے میں انہی کی کتب واسانید پرمدار ہے۔'' (فہرس الفہارس، ج:۱،ص:۱۷۸)

بلکہ شاہ صاحبؒ کا فیض برصغیر سے باہر عرب ممالک تک بھی پہنچا، مصر میں علم حدیث کی اشاعت کرنے والے علامہ محمد مرتضی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے۔

۹:......امام احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ: مجددِالفِ ثانی، بلند پایہ عالم، سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم مرتبہ شیخ اوردینِ اکبری کے قلع قمع میں کلیدی کردار کی حامل شخصیت۔ سرہند میں سنہ۹۷۱ھ میں اس جہاں میں آنکھ کھولی اور۱۰۳۴ھ میں سفرِآخرت پرروانہ ہوگئے۔ ملاحظہ کیجیے: ''نـزھۃ الخـواطـر'' ازمولانا عبدالحی حسنیؒ (ج:۵،ص:۴۷۹-۴۸۶)، ''الأعلام'' زرکلی (ج:۱،ص:۱۴۲-۱۴۳)، نیز ''تاریخ دعوت وعزیمت'' ازمولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' ازمولانا محمد میاںؒ۔ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''إرغـام الـمـریـد'' میں ان کے حالاتِ زندگی تحریر کیے ہیں، اوران کے متعلق لکھا ہے: ''امام ربانی، مجددِالفِ ثانیؒ''۔ (الدر النضید شرح النظم العتید، ص:۴۲-۴۳، یہ ''إرغام المرید'' کا مختصر ہے)۔

۱۰:...... یہاں علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا چھان پھٹک احادیث پرعمل کرنے سے احتیاط برتنے کی تاکید کی ہے، اور یہی درست نقطۂ نظر ہے، جس پر ہردور کے بلند پایہ علماء نے تنبیہ کی ہے، چنانچہ علامہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمہ (۲۱۲) میں رقم طراز ہیں:

''علمِ حدیث کے طالب علم کے لیے معرفت وفہم کے بغیر محض حدیث کے سماع وکتابت پراکتفا کرنا مناسب نہیں، یوں خاطر خواہ فائدہ حاصل کیے بنا اوراہلِ حدیث میں اپنا شمار کیے بغیر جان کو ہلکان کرے گا، بلکہ اس سے زیادہ کچھ حاصل نہ ہوگا کہ اس کا شمار (محدثین سے) مشابہت رکھنے والے کم علموں اورایسے اوصاف وکمالات سے بتکلف مزین ہونے والوں میں ہونے لگے گا، جن سے وہ خالی ہیں۔''

بعض سلف کا مقولہ ہے: ''تم درایتِ حدیث کے حامل بنو، محض روایات کے ناقل نہ بنو، ایک حدیث جس کی تمہیں (صحیح) معرفت حاصل ہواُن ہزار احادیث سے بہتر ہے جنہیں تم محض نقل کرتے ہو۔''

ملاحظہ کیجیے: ''فتـح الـمـغیـث'' علامہ سخاویؒ (ج:۳،ص:۳۰۴-۳۰۷)، ''معـرفۃ عـلـوم الحدیـث'' امام حاکمؒ (ص:۶۳-۸۵) اورعلامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الألفیۃ'' (ص:۱۶۲)۔

۱۱:...... یہاں متن میں یونہی (نرمی سے چھونا) درج ہے، جبکہ سیاق وسباق کا تقاضا ہے کہ ''نرمی نہ برتی جائے'' ہو، تاہم دیانۃً متن کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا ہے۔ **(جاری ہے)**

’’مکروہ‘‘ شریعت کی نظر میں!!

مفتی عثمان الدین
فاضل و متخصص جامعہ

احکاماتِ شرعیہ کے بیان میں حلال اور حرام کے ساتھ ایک لفظ ’’مکروہ‘‘ کا بھی کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ’’مکروہ‘‘ کی اصطلاح عوام الناس کے نزدیک اپنے شرعی مفہوم کے لحاظ سے حلال اور حرام کی طرح معروف اور واضح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بسا اوقات ’’مکروہ‘‘ کی حقیقت وتعریف اور اُس کے ثبوت سے متعلق سوال کرتے ہیں، بلکہ بعضوں کی گفتگو سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاید وہ اس کو فقہاء کی ایجاد سمجھتے ہیں، اس لیے ’’مکروہ‘‘ سے متعلق مختصر وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

شریعت کے احکام کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا نام ’’مامورات‘‘ ہے، جبکہ دوسری قسم کو ’’منہیات‘‘ کہتے ہیں۔ مامورات ان احکامات کو کہا جاتا ہے جن میں کسی کام کے ’’کرنے‘‘ کا حکم دیا گیا ہو اور منہیات اُن احکامات کو کہتے ہیں جن میں کسی کام سے ’’بچنے‘‘ کا حکم دیا گیا ہو۔ پھر احکامات خواہ وہ مامورات کے قبیل سے ہوں یا منہیات کے قبیل سے، درجات اور مراتب کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں، بلکہ مختلف مراتب اور درجات میں تقسیم ہیں۔ تاہم احکام کی مذکورہ درجہ بندی فقہائے کرام نے از خود نہیں کی، بلکہ نصوص سے ثابت ہے اور اس درجہ بندی کا مقصد اُمت کے لیے عمل کے لحاظ سے آسانی اور سہولت پیدا کرنی ہے، کیوں کہ ظاہر ہے اگر شریعت کے تمام احکام ایک ہی درجہ کے ہوتے تو اُمت کے لیے ان کی بجا آوری آسان نہیں ہوتی، اس لیے اُن کو مختلف درجات میں تقسیم کیا گیا، تاکہ اُمت کے لیے ان پر عمل کرنے میں سہولت اور آسانی ہو۔ البتہ چونکہ عمل کے لیے اول اُن کی پہچان ضروری ہے اور مجموعی لحاظ سے اُمت کے لیے احکام کے مذکورہ مراتب اور درجات کو پہچاننا ایک مشکل کام تھا، اس لیے فقہاء کرام نے نصوص میں غور وفکر کر کے احکام کی ان اقسام و درجات میں سے ہر ایک قسم اور درجہ کے لیے ایک نام اور اصطلاح مقرر کر دی، تاکہ اُمت کے لیے ان کی پہچان میں اور پھر اُن پر عمل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور ان کو سمجھنے سمجھانے میں سہولت و آسانی ہو۔ چنانچہ فرض، واجب، سنت، مستحب، وغیرہ یہ اصطلاحات فقہاء کرام نے نصوص میں غور کر کے مختلف

الاقسام احکام کی پہچان کے لیے مقرر کی ہیں، جس کی وجہ سے آج اُمت کے لیے اُن کو سمجھنا، سمجھانا اور ان پر عمل کرنا آسان ہے۔ احکامات کی انہیں اقسام میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو فقہاء کرام نے ''مکروہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

''اتحاف ذوی البصائر'' (شرح روضۃ الناظر) میں ہے:

''قوله (وهو أقسام أيضا) أقول: إن الحكم الوضعي ينقسم إلٰى أقسام كما انقسم الحكم التكليفي إلٰى أقسام وقد سبقت وهي الواجب والمندوب والمباح والمكروه والحرام .... الخ۔'' (اقسام الحکم الوضعی، جلد:۱، ص:۵۴۱، ط: مکتبۃ الرشد، ریاض)

مکروہ کی تعریف

''مکروہ'' لغوی معنی کے اعتبار سے ناپسندیدہ کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں ''مکروہ'' کی حقیقت اور تعریف کو سمجھنے کے لیے اول جاننا چاہیے کہ اشیاء کی حکم کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

۱:......بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی ممانعت نصِ قطعی سے واضح طور پر ثابت ہے، ایسی چیزوں کو ''حرام'' کہا جاتا ہے۔

۲:......بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی اجازت نصِ قطعی سے واضح طور پر ثابت ہے یا اُن کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہیں ہے، ایسی چیزوں کو ''حلال'' کہا جاتا ہے۔

۳:......بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق اجازت اور ممانعت دونوں جانب کے دلائل موجود ہیں، جس کی بنا پر ان کو مکمل طور پر حلال کہا جا سکتا ہے، نہ حرام کہا جا سکتا ہے۔ جو چیز اس قسم کی قبیل سے ہو، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''مکروہ'' کہا جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق ''مکروہ'' ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کے متعلق اجازت اور ممانعت دونوں جانب کے دلائل موجود ہوں اور اس وجہ سے وہ مکمل طور پر حلال یا حرام اشیاء کی فہرست میں شامل نہ ہوں، چوں کہ ایسی چیزیں شریعت کی نظر میں حرام نہ سہی، ناپسندیدہ ضرور ہوتی ہیں، اس لیے فقہائے کرام ان کو ''مکروہات'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مکروہ کا ثبوت

مکروہ کی مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اب ذیل میں دو احادیث ذکر کی جاتی ہیں، جن سے مکروہ کی مزید وضاحت کے ساتھ احادیث سے اس کا ثبوت بھی واضح ہو جائے گا۔ ۱:......حدیث شریف میں ہے:

''عن النعمان بن بشیرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس ...... الحديث۔''

(مشکوۃ المصابیح، باب الکسب وطلب الحلال، ص:۲۴۱، ط قدیمی)

’’حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے........الخ۔‘‘ (مظاہرِ حق، ج:۳،ص:۳۵،ط: دارالاشاعت)

مذکورہ حدیث میں اشیاء کے حکم کے اعتبار سے اُن تین اقسام کا بیان ہے، جن کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے، ان میں سے تیسری قسم کی اشیاء میں چونکہ اجازت اور ممانعت دونوں جانب کے دلائل موجود ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو حلال یا حرام کہنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس لیے حدیث میں ان کو’’ متشابہات‘‘ کہا گیا۔ فقہاء کرام اس قسم کی اشیاء کو فقہی اصطلاح میں ’’مکروہات‘‘ کہتے ہیں۔ یوں مذکورہ حدیث سے ’’مکروہ‘‘ کا ثبوت واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ ’’شرح الطیبی‘‘ میں ہے:

’’قوله الحلال بين والحرام بين معناه أن الأشياء ثلاثة: حلال بين واضح لايخفى حلهٗ كالخبز والفواكه و غير ذٰلک من المطعومات و كذٰلک الكلام والنظر والنكاح والمشى و غير ذٰلک من التصرفات و حرام بين كالخمر والخنزير والميتة والدم المسفوح وكذٰلک الزنا والكذب والغيبة والنميمة والنظر إلى الأمرد و إلى الأجنبية وأشباه ذٰلک. والمتشابه هو الذى يحتمل الأمرين فاشبه على الناظر بأيهما ملحق وإليه أشار بقوله :لا يعلمهن كثير من الناس۔‘‘ (شرح الطیبی، ج:۶،ص:۹،ط: ادارۃ القرآن)

’’آپ ﷺ کے ارشاد ’’حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء تین قسم کی ہیں: پہلی قسم واضح حلال کی ہے، جس کی حلت میں کوئی اخفاء نہیں، جیسے: روٹی اور میوہ جات اور ان کے علاوہ دوسری کھانے کی چیزیں، اسی طرح بات چیت، دیکھنا، نکاح کرنا اور چلنا وغیرہ جیسے اعمال۔ دوسری قسم واضح حرام کی ہے، جیسے: شراب، خنزیر، مردار، بہنے والا خون اور اسی طرح زنا، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بے ریش اور اجنبی عورت کو دیکھنا اور اسی طرح کے دوسرے اعمال۔ اور تیسری قسم متشابہ ہے جو دونوں (حلت وحرمت) کا احتمال رکھتا ہے، چنانچہ وہ دیکھنے والے پر مشتبہ ہو جاتا ہے، اسی کی طرف اپنے قول ’’لایعلمهن كثير من الناس‘‘....’’اسے اکثر لوگ جانتے نہیں‘‘ سے اشارہ کیا ہے۔‘‘

۲:......دوسری حدیث میں ہے:

’’عن ابن عمرؓ أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الضب، فقال: لا آكلهٗ ولا أحرمهٗ۔‘‘ (ترمذی، ج:۲،ص:۱،ط: سعید)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے گوہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں

نے فرمایا: میں نہ تو اس کو کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے ''گوہ'' (ایک قسم کا جانور ہے) کی حلت وحرمت کے بارے میں پوچھا، حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: میں اس کو نہیں کھاتا، لیکن اُمت کے لیے حرام بھی نہیں کرتا، حضور ﷺ کے اس جواب سے ''مکروہ'' کی اصطلاح بخوبی واضح اور ثابت ہوجاتی ہے، کیوں کہ جب آپ علیہ السلام گوہ کو حرام قرار نہیں دے رہے، لیکن خود اس کو تناول بھی نہیں فرمارہے ہیں تو ایسی صورت میں گوہ کو اور اس طرح کی دیگر چیزوں کو مکمل طور پر حلال یا حرام کیسے کہا جاسکتا ہے، بلکہ عقل خود اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ حلال اور حرام کے درمیان بھی ایک درجہ ہے، اور گوہ اسی درمیانی درجہ کی چیز ہے۔ اسی درمیانی درجہ کی چیزوں کو فقہاء کرام ''مکروہات'' کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف کے نزدیک گوہ کا کھانا مکروہ ہے، جیسے کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ''العرف الشذی'' میں فرماتے ہیں:

''وهٰذه مكروهة عندنا وقال فقهائنا بكراهة تحريمية و محدثوننا بكراهة تنزيهية۔'' (سنن ترمذی، ج:۲، ص:۱، ط:سعید)

مکروہ کی قسمیں اور اُن کا حکم

فقہ کی کتابوں میں مکروہ کے ساتھ ''تنزیہی'' اور ''تحریمی'' کے الفاظ بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں، اس بنا پر اُن کی مختصر وضاحت بھی مناسب ہے۔

مکروہ کے بارے میں جیسا کہ معلوم ہوا، اس میں اجازت اور ممانعت دونوں جانب کے دلائل موجود ہوتے ہیں اور اس کی دونوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، اس لیے فقہاء کرام نے مکروہ کی اس اعتبار سے دو قسمیں ذکر کی ہیں: ۱:......مکروہِ تنزیہی، ۲:......مکروہِ تحریمی۔

مکروہِ تنزیہی:......اس مکروہ کو کہتے ہیں جس میں ممانعت کے مقابلہ میں اجازت کے دلائل غالب اور قوی ہوتے ہیں، اس بنا پر وہ حرام کے مقابلہ میں حلال کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

مکروہِ تحریمی:......اس مکروہ کو کہتے ہیں جو اس کے برعکس ہوتا ہے، یعنی اس میں ممانعت کے دلائل غالب اور قوی ہوتے ہیں اور اس وجہ سے وہ حرام کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس سے اجتناب بہتر اور باعث اجر وثواب ہے، البتہ ارتکاب کی صورت میں گناہ نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اس سے اجتناب ضروری ہے اور اس کا مرتکب گناہ کا مستحق ہوتا ہے۔

’’مجموعة قواعد الفقه الحنفية‘‘ میں ہے:

’’الکراهة شرعًا کون الفعل بحیث یکون ترکهٗ أولٰی مع عدم المنع من ذٰلک الفعل ویسمی مکروهًا وهونوعان: مکروه کراهةَ تحریم و مکروه کراهةَ تنزیه فالأول عند الشیخین ما کان إلی الحرام أقرب والثانی ماکان إلی الحل أقرب کذا فی کشاف المصطلحات ، ومعنی کرهت الشیٔ إذا لم ترده و لم ترضه ، قاله فی المغرب ۔‘‘ (مجموعۃ قواعد الفقہ الحنفیہ، ص:۴۴۱-۴۴۲، ط: مدنی کتب خانہ)

’’شرعی طور پر کراہت کا مطلب کسی فعل کا اس طرح ہونا کہ اس کا چھوڑ دینا بہتر ہو، باوجودیکہ اس فعل سے بالکل منع بھی نہ کیا گیا ہو، اس (فعل) کا نام مکروہ رکھا گیا ہے۔ اس کی دو قسمیں: مکروہِ تحریمی، مکروہِ تنزیہی، شیخین کے نزدیک پہلا وہ ہے جو حرام کے قریب ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو حلال کے قریب ہوتا ہے، اسی طرح ’’کشاف المصطلحات ‘‘ میں لکھا ہے۔ اور ’’کرهت الشیء ‘‘ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز کو رد بھی نہ کیا جائے اور پسند بھی نہ کیا جائے، یہ بات ’’مغرب‘‘ میں کہی گئی ہے۔‘‘

و فیه أیضا:

’’المکروه ماهو راجح الترک ، فإن کان إلی الحرام أقرب تکون کراهة تحریمیة وإن کان إلی الحل أقرب تکون تنزیهیة و معنی القرب إلی الحرمة أنهٗ یستحق فاعله العتاب ومعنی القرب إلی الحل أنهٗ لا یستحق فاعله العتاب، بل یستحق تارکهٗ أدنی الثواب ۔‘‘ (ایضاً، ص:۵۰۳، ط: مدنی کتب خانہ)

’’مکروہ وہ ہے جس کا چھوڑ نا راجح ہو، اگر وہ حرام کے زیادہ قریب ہے تو کراہتِ تحریمی ہوگی اور اگر حلت کے زیادہ قریب ہے تو کراہتِ تنزیہی ہوگی۔ اور حرمت کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا لائق ملامت ہوگا اور حلت کے قریب ہونے کا مطلب ہے کہ اس کا کرنے والا ملامت کا مستحق نہیں، بلکہ اس کا چھوڑنے والا کچھ نہ کچھ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔‘‘

الغرض حاصل یہ ہے کہ احکاماتِ شرعیہ مرتبہ کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان کی مختلف قسمیں ہیں، ’’مکروہ‘‘ بھی احکامات کی ان مختلف اقسام میں سے ایک اہم قسم ہے، پھر یہ کہ حکم کی یہ قسم فقہائے کرام نے نہیں بنائی، بلکہ نصوص سے ثابت ہے۔ اور فقہاء کرام نے نصوص میں غور وفکر کرکے اس کے لیے ’’مکروہ‘‘ کی ایک اصطلاح مقرر کردی ہے، تاکہ اُمت کے لیے اس کی پہچان میں اور اس سے بچنے میں سہولت اور آسانی ہو اور یہ ان کے اس اُمت پر من جملہ احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

لباس کے شرعی وطبعی تقاضے اور تشبہ کا المیہ!

مولانا محمد حمزہ منصور
فاضل ومتخصصِ جامعہ

نبی کریم ﷺ کا لباس اور آپ ﷺ کی وضع قطع پر قومیت اور وطنیت کی چھاپ کا عنصر مغلوب بلکہ معدوم تھا۔ ذخیرۂ حدیث میں کتاب اللباس اور شمائل نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے لباس اور عادی طور طریقوں میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع اور وحی والہام کا عنصر شامل تھا۔ عرب میں قدیم زمانے سے چادر اور تہہ بند کا دستور چلا آ رہا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہی لباس تھا، جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذربائیجان کے عربوں کو حلہ (ازار اور چادر) پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس ہے:

''أما بعد! فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وألقوا الخفاف والسراويلات وعليكم بلباس أبيكم إسماعيل وإياكم والتنعم وزی العجم۔'' (فتح الباری لابن حجرؒ، ج:۱۰، ص:۲۸۶، باب لبس الحریر، ط: دار المعرفہ، بیروت)

''(بطور لباس) جسم کے اوپر ازار اور نیچے رداء (چادریں) استعمال کرو۔ جوتا/چپل پہنو۔ موزے اور شلواریں پھینک دو۔ اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس لازم پکڑو۔ عیاشی اور عجمیوں کی وضع قطع سے بچو۔''

نیز اللہ کا نبی طبعی آداب میں بھی وحی اور الہام سے خالی نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کو عقائد، اخلاق، اعمال، عبادات، اور معاملات سب کے متعلق ہدایت جاری کرتا ہے، یہاں تک کہ بول وبراز (پیشاب، پاخانہ) کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم ورواج کی پیروی پر اکتفاء کرے۔

حضور ﷺ نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے، فلاں حرام ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں امتیاز ہوگیا، اور بے شمار احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے کافروں کی مشابہت سے ممانعت فرمائی ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے، اور جو لباس دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے، ایسے لباس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

''إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس۔'' (سنن ترمذی، ج:۱، ص:۴۴۱، باب العمائم علی القلانس، ط: رحمانیہ)

''ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم عمامہ ٹوپیوں پر باندھتے ہیں۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

''قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم۔''

(المسند الجامع، (الجهاد) ج:۱۰،ص:۱۶۷، رقم الحدیث:۸۱۲۷، دارالجیل، بیروت)

ترجمہ: ''حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔''

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:

''إن هٰذه من ثياب الكفار فلا تلبسها۔''

(مسلم، ج:۳،ص:۱۶۴۸، باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ط: داراحیاء التراث)

''یعنی یہ کافروں کے (جیسے) کپڑے ہیں، پس ان کو نہ پہننا۔''

پس ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ کا لباس اور آپ ﷺ کی وضع قطع یہ سب وحی الٰہی کے تابع تھی۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات، سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا ہے، مگر اس کے باوجود ہر چیز کی صورت اور شکل مختلف بنائی، تاکہ ان میں امتیاز قائم رہے، کیوں کہ امتیاز کا ذریعہ یہی ظاہری شکل وصورت ہے، اور جس طرح دنیا کی قومیں ایک دوسرے سے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعہ جدا ہیں، اسی طرح ہر قوم کا الگ تمدن اور اس کی تہذیب اور اس کا طرزِ لباس بھی اس کو دوسری قوم سے ممتاز کرتا ہے۔ عبادات کی انہی خاص شکلوں کی وجہ سے ایک مسلم وموحد، مشرک اور بت پرست سے جدا ہے، اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے، غرض قوموں میں امتیاز کا ذریعہ یہی قومی خصوصیات ہیں، جب تک ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔

دینِ اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے، تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناسخ بن کر آیا ہے، وہ اپنے پیروکاروں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیروکاروں کی مشابہت اختیار کریں۔ جس طرح اسلام معتقدات اور عبادات میں مستقل ہے، کسی کا تابع نہیں ہے، اسی طرح

اسلام اپنے معاشرتی آداب اور عادات میں بھی مستقل ہے، کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تشبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''تشبہ کی تعریف سنئے، تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگاسکیں۔''

۱:...... اپنی حقیقت، اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت، اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہونے کا نام تشبہ ہے۔

۲:...... یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کردینے کا نام تشبہ ہے۔

۳:...... اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کرکے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

۴:...... اپنی شانِ امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شانِ امتیازی کو اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

۵:...... اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرایوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے اور وضع قطع میں بھی۔'' (سیرتِ مصطفیٰ، ج:۳،ص:۳۰۶، تشبہ کی تعریف، ط:مکتبۃ الحسن)

شریعت میں تشبہ (دوسروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے) کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے، بلکہ غیرت، حمیت اور اسلامی خصوصیات وامتیازات کے تحفظ کے لیے ہے، اس لیے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلاسکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں۔

نیز یہود ونصاریٰ اور کافروں کو دوست بنانے یا ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کے دل بھی ان کی طرح سخت ہوجاتے ہیں، اور احکامِ شریعت کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''**الزواجر عن اقتراف الکبائر**'' میں مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ایک نبی کی یہ وحی نقل کی ہے:

''**قال مالک بن دينار أوحی اللّٰه إلی النبی من الأنبياء أن قل لقومک لا يدخلوا مداخل أعدائی ولا يلبسوا ملابس أعدائی ولا يركبوا مراكب أعدائی ولايطعموا مطاعم أعدائی، فيكونوا أعدائی كما هم أعدائی.**'' (ج:۱،ص:۱۵، مقدمہ، ط:دارالمعرفۃ، بیروت)

''مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ انبیاءِ سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی یہ وحی آئی کہ

آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ نہ میرے دشمنوں کی گھسنے کی جگہ میں گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ ہی میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ ہی میرے دشمنوں جیسی سواریوں پرسوار ہوں (یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں) ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں۔'' (از فتاویٰ بینات، ج:۴،ص:۳۷۲)

واضح رہے کہ غیروں کی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں:

۱:...... پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ مسلمان اور کافر میں ظاہری کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالکفار اہلِ کفر میں دلچسپی اور ان کی قربت کا زینہ ہے۔

۲:......غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

۳:......کافروں کا لباس اختیار کرنا درحقیقت ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

۴:......اور یہ اپنی کمتری اور غلامی کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ اسلام غالب ہوتا ہے، تابع اور مغلوب نہیں ہوتا۔

نیز اس تشبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا، جو صراحۃً ممنوع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔'' (ہود:۱۱۳)

ترجمہ:......''اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ، اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔'' (ترجمہ از شیخ الہندؒ)

باقی آج کل ہر خاص و عام یہ دعویٰ کرتا رہتا ہے کہ پینٹ شرٹ' مسلم اور غیر مسلم دونوں کا ہی لباس ہے، اب تو ہر جگہ مسلمان بھی پہنتے ہیں، تو عرض ہے کہ یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، بلکہ شرٹ اور پتلون غیر مسلموں کا ہی لباس تھا، پھر جب اسلامی سلطنتوں کے فرماں روا اقتدار کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں زوال پذیر ہوگئیں، اور مسلمانوں سے شکست خوردہ قومیں برسرِ اقتدار آگئیں، چند روز تک مسلمانوں کو اپنی شکست اور ذلت کا احساس رہا، مگر پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کے معاشرے، تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کردیا، یہاں تک کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلامی ممالک کے باشندے اپنے من وتن میں غیروں کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ اپنے اور پرائے، مسلم اور غیر مسلم کا بادی النظر میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔

اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ موجودہ زمانے میں پینٹ شرٹ کے کثرتِ استعمال اور معاشرے میں اس کے عام ہونے کے سبب یہ کسی غیرقوم کا شعار تو نہیں رہا، اس لیے اس میں غیراقوام کے شعار ہونے کی حد تک تو تشبہ باقی نہیں رہا، مگر اس کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے کہ یہ فساق وفجار اور غیر صلحاء کا لباس ہے، اور جس طرح غیر مسلموں سے مشابہت ممنوع ہے، اسی طرح فساق وفجار اور غیر صلحاء سے مشابہت بھی ممنوع ہے۔ (۱) اور مشابہت کی شناعت میں زمان اور مکان کے لحاظ سے سختی یا نرمی کی بات ممکن ہے، جس علاقہ میں جتنی زیادہ مشابہت متصور ہوگی اسی حساب سے کراہتِ تحریمیہ، تنزیہیہ، اور خلافِ اولیٰ ہونے کا حکم لگے گا۔ اور پاکستان کے لیے تو علی الاطلاق یہ حکم لگانا بھی درست نہیں ہے کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے مشابہت بالکل ختم ہوگئی ہے، اس لیے کہ اگرچہ پاکستان کے اکثر شہری علاقوں اور بعض دیہاتی علاقوں میں اس کو بطورِ لباس استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سارے علاقے بالخصوص قبائلی علاقے اور گاؤں دیہاتوں میں اب بھی اس کو کفار یا کم ازکم فساق وفجار اور غیرصلحاء کا لباس تصور کیا جاتا ہے اور اپنے قومی وعلاقائی لباس کو اس لباس (پینٹ شرٹ) پر ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا جس علاقے میں جس قدر مشابہت متصور ہوگی، اسی حساب سے کراہت کا حکم لاگو ہوگا۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ تمام تفاوت اور فرقِ مراتب علم اور اعتقاد کے اعتبار سے ہے، ورنہ عملاً ہر درجہ کے تشبہ کو ممنوع العمل قرار دینا ہی ایک مسلمان کے لیے احتیاط اور پرہیزگاری کا باعث ہوسکتا ہے، کیوں کہ تمدن اور معاشرت کا ایک طویل سلسلہ ہے، اور اس سلسلہ کی ایک کڑی دوسری کو کھینچتی ہے، پس کسی تمدن کی کسی چیز کو اختیار کرنا گویا دوسری چیز کے لیے راستہ صاف کردینا ہے، تو اس طرح انجام کار پورے ہی تمدن کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لینا ہے، اس لیے سدِ ذرائع کے طور پر تشبہ کے تمام مراتب سے خواہ حرام ہوں یا مکروہِ تحریمی ہوں یا مکروہِ تنزیہی عمل کے دائرہ میں یکساں ہی ممانعت کی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پینٹ شرٹ پہننا فساق وفجار کے ساتھ تشبہ اور غیرصلحاء کا لباس ہونے کی بنا پر مکروہ ہے، اور اس کا ادنیٰ درجہ صغیرہ گناہ ہے، جبکہ صغیرہ گناہ پر اصرار اور دوام کبیرہ گناہ کا درجہ حاصل کرلیتا ہے، چہ جائے کہ اس کو باقاعدہ ضابطہ اور قاعدہ بنا کر اختیار کیا جائے، جس میں اس کو دوام بخشا خوب اچھی طرح مترشح ہوتا ہو، لہٰذا مذکورہ لباس کو عادت بنانے اور مستقل پہننے میں اس مکروہ فعل کی ترویج ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ صالحین، دین دار، اور نیکوکاروں کے لباس کو اختیار کریں اور فساق وفجار اور کفار کے لباس اور طور طریق سے حتی المقدور پرہیز کریں۔ (۲)

یہ ملحوظ رہے کہ ماقبل میں جو پتلون پہننے کی ''کراہت'' کا حکم بیان ہوا، یہ ایسی پتلون کے بارے میں ہے جو ڈھیلی ڈھالی ہو، اس لیے کہ چست اور تنگ پتلون اور لباس پہننا جس میں جسم کے

قابلِ ستر حصوں کی نمائش ہوتی ہو، نا جائز اور حرام ہے۔ (۳)

حواشی

ا:......مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ''من تشبه بقوم'': أی من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار ۔''(فهو منهم): أی فی الإثم والخير، قال الطيبى: هذا عام فی الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر فی التشبه ذكر فی هذا الباب. قلت : بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير، فإن الخلق الصورى لا يتصور فيه التشبه، والخلق المعنوى لا يقال فيه التشبه، بل هو التخلق، هذا وقد حكى حكاية غريبة ولطيفة عجيبة، وهى أنه لما أغرق اللّٰه سبحانه فرعون وآله لم يغرق مسخرته الذى كان يحاكى سيدنا موسى عليه الصلاة والسلام فی لبسه وكلامه ومقالاته، فيضحك فرعون وقومه من حركاته وسكناته، تضرع موسٰى إلٰى ربه: يا رب! هٰذا كان يؤذى أكثر من بقية آل فرعون، فقال الرب تعالٰى: ما أغرقناه فإنه كان لابساً مثل لباسک، والحبيب لا يعذب من كان على صورة الحبيب، فانظر من كان متشبهًا بأهل الحق على قصد الباطل حصل له نجاة صورية، وربما أدت إلى النجاة المعنوية، فكيف بمن يتشبه بأنبيائه وأوليائه على قصد التشرف والتعظيم، وغرض المشابهة الصورية على وجه التكريم؟ ۔'' (ج:۸،ص:۱۵۵، الفصل الثانی، ط: رشیدیہ)

۲:......الدر المنثور میں ہے: ''أخرج ابن مردَوَيْه عن عائشة: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إياک ومحقرات الذُّنُوب فإن لها من اللّٰه طالبا ۔'' (ج:۵،ص:۴۰۱، ط: دار الفکر)

أحکام القرآن للجصاص میں ہے: ''قوله تعالى: (وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى) يقتضى ظاهره إيجاب التعاون على كلّ ما كان طاعةً للّٰه تعالٰى: لأن البر هو طاعات اللّٰه. وقوله تعالى: (وَلا تَعَاوَنُوا عَلٰى الْأثْمِ وَالْعُدْوَانِ) نهى عن معاونة غيرنا على معاصى اللّٰه تعالٰى ۔'' (ج:۲،ص:۴۲۹، ط: قدیمی)

مشکاۃ المصابیح میں ہے: ''عن بلال بن الحارث المزنى قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : من أحيا سنة من سنتى قد أميتت بعدى فإن لهٗ من الأجر مثل أجور من عمل بها من غير أن ينقص من أجورهم شيئًا ومن ابتدع بدعةً ضلالةً لا يرضاها اللّٰه ورسوله كان عليه من الإثم مثل آثام من عمل بها لا ينقص من أوزارهم شيئا ۔'' (رواہ الترمذی: ۳۰/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی، ط؛ قدیمی)

قال الملا على القارى تحت هٰذا الحديث فى مرقاة المفاتيح : ''(من أحيا سنة)، أى: من أظهرها وأشاعها بالقول أو العمل (من سنتى): قال الأشرف: ظاهر النظم يقتضى أن يقال من سننى، لكن الرواية بصيغة الإفراد اهـ. فيكون المراد بها الجنس، أى: طريقة من الطرق المنسوبة إلى واجبة أو مندوبة أخذت عنى بنص أو استنباط، كما أفادهٗ إضافة سنة إلى الضمير المقتضية للعموم (قد أميتت بعدى)، قال ابن الملک: أى: تركت تلک السنة عن العمل بها يعنى من أحياها من بعدى بالعمل بها أو حث الغير على العمل بها ۔'' (مرقاۃ المفاتیح، ج:۱،ص:۲۴۵، ط: امدادیہ، ملتان)

وفیہ ایضا: ''وقيل: كل معصية كبيرة نظرا إلى عظمة اللّٰه تعالٰى، وقيل: لا صغيرة مع الإصرار، ولا كبيرة مع الاستغفار ۔'' (مرقاۃ المفاتیح، ج:۱،ص:۱۲۰، ط؛ امدادیہ، ملتان)

۳:......فتاویٰ شامی میں ہے: ''أقول: مفادهٗ أن رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفًا لاترى البشرة منه، قال فى المغرب: يقال مسست الحبلى، فوجدت حجم الصبى فى بطنها وأحجم الثدى على نحر الجارية إذا نهز، وحقيقته صار له حجم أى نتو وارتفاع ومنه قوله حتى يتبين حجم عظامها اهـ وعلى هذا لا يحل النظر إلى عورة غيرہٖ فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها ۔'' (ج:۶،ص:۳۶۶، فصل فی النظر والمس، ط؛ سعید)

''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ
فاضلِ جامعہ و چیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل

(چوتھی قسط)

اب یہ بات محتاجِ بیان ہے کہ شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ان احکام کی مشروعیت کس حیثیت سے ہے؟ شرائع سابقہ کے احکام کی حیثیت سے؟ یا شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے احکام کی حیثیت سے؟ اس حوالے سے مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بعد از بعثت ''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی پیروی کے حوالے سے چار اقوال

پہلا قول:......''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے تمام احکام کی اتباع ہمارے اوپر واجب ہے، جب تک ناسخ نہ آئے۔

دوسرا قول:......''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے کسی بھی حکم کی اتباع ہمارے اوپر واجب نہیں، الا یہ کہ عمل کرنے کا حکم دلیل سے ثابت ہو جائے۔

تیسرا قول:......''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے تمام احکام کی اتباع ہمارے اوپر لازم ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ ہماری شریعت بن گئی۔

چوتھا قول:......''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کے ان احکام کی پیروی ہمارے اوپر لازم ہے، جن کو قرآن مجید یا احادیثِ نبویہ میں انکار یا تردید کے بغیر نقل کیا جائے۔

چوتھا اور آخری قول راجح ہے، وجوہِ ترجیح آگے تفصیلاً آرہی ہیں۔ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: یَلْزَمُنَا شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا حَتَّی یَقُوْمَ الدَّلِیْلُ عَلَی النَّسْخِ بِمَنْزِلَةِ شَرَائِعِنَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَا یَلْزَمُنَا حَتّٰی یَقُوْمَ الدَّلِیْلُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: یَلْزَمُنَا عَلٰی أَنَّهُ شَرِیْعَتُنَا۔''(۱)

''بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ہمارے اوپر شرائع سابقہ کی پیروی اس وقت تک مطلقاً لازم ہے، جب تک نسخ کی کوئی دلیل قائم نہ ہو، جیسے ہماری اپنی شریعت کا حکم ہے۔ بعض کا قول یہ

ہے کہ پیروی اس وقت تک لازم نہیں، جب تک پیروی کرنے کی کوئی دلیل قائم نہ ہو، جبکہ بعض کا قول یہ ہے کہ اس حیثیت سے پیروی لازم ہے کہ وہ ہماری شریعت بن گئی۔''

بہرحال! اس عبارت میں بیان کردہ مسالک حسبِ ذیل چار قواعد پر مبنی ہیں:

قواعدِ اربعہ

پہلا قاعدہ:......شرائع سماویہ میں اصل استمرار و بقاء ہے۔

دوسرا قاعدہ:...... ہر آسمانی شریعت پہلے نبی کی وفات یا دوسرے نبی کی بعثت کے ساتھ اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

تیسرا قاعدہ:......شرائع سابقہ میں سے غیر ثابت النسخ احکام پر بحیثیت اپنی شریعت کے عمل لازم ہے۔

چوتھا قاعدہ:......ثبوتِ شرعی کی بنیاد پر شرائع سابقہ کے احکام کی اتباع لازم ہے۔

پہلے قول کی وضاحت اور دلائل

''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' کی اتباع ہمارے اوپر واجب ہے، جب تک ناسخ نہ آئے۔

اس قول کی بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ: ''شرائع سماویہ میں اصل استمرار وبقاء ہے۔'' گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد بھی سابقہ شریعتیں برقرار ہیں، منسوخ نہیں ہیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فَأَمَّا الْفَرِيق الأولُ قَالُوا: صفة الْإِطْلَاق فِي الشَّيْء يَقْتَضِي التَّأْبِيدَ فِيهِ إِذا كَانَ مُحتملا للتأبيد،فالتوقيت يكون زِيَادَة فِيهِ لَا يجوز إثْبَاته إِلَّا بِالدَّلِيلِ۔''(۲)

''پہلے فریق کا کہنا ہے کہ کسی حکم کا مطلق ہونا تأبید (ہمیشگی) کا متقاضی ہے، اگر اس میں تأبید کا احتمال ہو، پس اس کو کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا اس میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے، جو دلیل کے بغیر جائز نہیں۔''

پہلے مسلک کے دلائل
نقلی دلائل، مشتمل بر آیاتِ قرآنیہ

پہلی آیت کریمہ اور طریقۂ استدلال

''أُولٰئِکَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔'' (الأنعام:۹۰)

''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے، سو تو چل ان کے طریقہ پر۔''

اس آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ انبیاء کی ''ھُدٰی'' (تعلیمات) کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ''ھُدٰی'' کے مفہوم میں ایمان اور شرائع دونوں شامل ہیں، اس لیے کہ دونوں کے مجموعے کی پیروی سے ہدایت ملتی ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزشتہ شریعتوں کی پیروی واجب ہوئی۔ ''ھُدٰی'' ایمان وشرائع کا مجموعہ ہے، اس کی دلیل سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیت کریمہ ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

''ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ .... إِلٰی........ أُولٰئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَأُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔'' (البقرۃ:۲-۵)

''راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا، اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے، اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔''

ان آیاتِ کریمہ میں متقین کی صفات میں دو چیزوں کا تذکرہ ہے: ۱:...... ایمان، ۲:...... اعمالِ صالحہ، یعنی اقامتِ صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ، اور آخر میں فرمایا: ''أُولٰئِکَ عَلٰی ھُدًی'' معلوم ہوا کہ ایمان اور عملِ صالح دونوں کا مجموعہ ''ھُدٰی'' ہے، اور سابقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اسی ''ھُدٰی'' کی اقتداء اور پیروی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے۔

دوسری آیت کریمہ اور طریقۂ استدلال

''ثُمَّ أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفاً وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔'' (النحل:۱۲۳)

''پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا، نہ تھا وہ شرک والوں میں۔''

اس آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صیغۂ امر کے ساتھ ''ملتِ ابراہیمی'' کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اور صیغۂ امر وجوب کے لیے آتا ہے، پس معلوم ہوا کہ آپ پر ملتِ ابراہیمی کی پیروی واجب ہے، جو شریعتِ سابقہ ہے۔

تیسری آیتِ کریمہ اور طریقۂ استدلال

''إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ یَّحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالرَّبَّانِیُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ۔'' (المائدۃ:۴۴)

''ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے اللہ کے یہود کو، اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم۔''

اس آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تورات کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی من جملہ انبیاء میں سے ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تورات کے احکام کے مطابق فیصلے کرنا واجب ہے۔

چوتھی آیتِ کریمہ اور طریقۂ استدلال

’’شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّینِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوحًا وَّالَّذِی أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ إِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی أَنْ أَقِیْمُوْا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَیْہِ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ إِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ إِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔‘‘ (الشوریٰ:۱۳)

’’راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں، بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو اُن کو بلاتا ہے، اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے ۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لیے اس دین کی راہ ڈال دی ہے، جس کا نوح علیہ السلام، محمد، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حکم کیا تھا۔ گویا ان سب کا دین ایک ہے، اور ’’دین‘‘ ایمان وشرائع کے مجموعے کا نام ہے، پس ان تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین اور شریعت ایک ہے، جس کی بجاآوری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ (۳)

پانچویں آیتِ کریمہ اور طریقۂ استدلال

’’آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِنْ رُّسُلِہٖ ۔‘‘ (البقرۃ:۲۸۵)

’’مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے ۔‘‘

علامہ سرخسی پہلے قول والوں کا آیت کریمہ سے استدلال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’نئے رسول کے آنے سے پچھلے رسول کی رسالت ختم نہیں ہوتی، اسی طرح ان کی شریعت بھی قابلِ عمل ہی رہے گی، جب تک کسی حکم کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ہمارے اوپر تمام انبیاء کی رسالت کا اقرار لازم ہے، جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ واقع ہوا ہے: ’’وَالْمُؤْمِنُونَ کُلٌّ آمَنَ‘‘۔ (۴)

نقلی دلائل مشتمل بر احادیث نبویہ

پہلی حدیث اور طریقۂ استدلال

’’عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: کَسَرَتِ الرُّبَیِّعُ وَهِیَ عَمَّةُ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ ثَنِیَّةَ

جَارِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَطَلَبَ الْقَوْمُ الْقِصَاصَ ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ : عَمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: لاَ وَاللّٰهِ ، لاَ تُكْسَرُ سِنُّهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَنَسُ ! كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوْا الْإِرْشَ۔‘‘(۵)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: رُبَیِّع - انس بن مالک کی پھوپھی - نے ایک انصاری بچی کے سامنے والے دانت توڑ دیے، ان لوگوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، بخدا! ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، یا رسول اللہ! رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انس ! اللہ کی کتاب کا حکم قصاص ہے، چنانچہ وہ لوگ راضی ہوئے اور دیت قبول کر لی۔‘‘

اس حدیث شریف کے مطابق جب حضرت اَنس بن النضر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ میری بہن ربیع کا دانت قصاص کے طور پر نہیں توڑا جائے گا، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: اے اَنس! کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ’’والسن بالسن ‘‘(المائدۃ:۴۵) والی آیت ہے، جبکہ اسی آیت کریمہ کے ابتدائی الفاظ ’’وکتبنا علیھم فیھا ‘‘ میں صراحۃً اس کو تورات کا حکم قرار دیا گیا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات والے حکم پر عملدرآمد کا عندیہ دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تورات والی شریعت کی پیروی کے پابند تھے۔(۶)

دوسری حدیث اور طریقۂ استدلال

’’عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ’’مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: (أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِىْ۔‘‘(طٰہٰ:۱۴)(۷)

’’ابن المسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نماز پڑھنا بھول جائے، جب یاد آئے تو اس وقت پڑھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِىْ ‘‘....’’نماز قائم رکھ میری یادگاری کو۔‘‘

اس حدیث شریف میں یاد آنے پر بھولی ہوئی نماز کے پڑھنے کو ضروری قرار دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ طٰہٰ کی آیت کریمہ ’’أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِىْ ‘‘ سے استدلال کیا ہے، جب کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے، گویا شریعتِ موسویہ کے ایک حکم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل کے طور پر پیش فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے، ورنہ اس کے ایک حکم کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کا مطلب نہیں رہے گا۔

تیسری حدیث اور طریقۂ استدلال

’’عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ ، فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ : مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الزِّنَا؟ فَقَالُوا: نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ، إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ، فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ، فَنَشَرُوهَا فَجَعَلَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ، ثُمَّ جَعَلَ يَقْرَأُ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: ارْفَعْ يَدَيْکَ، فَرَفَعَهَا فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَالُوا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ فَرُجِمَا، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنِي عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ ۔‘‘(۸)

’’ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا: یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک خاتون نے بدکاری کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: بدکاری کے متعلق تورات میں کیا حکم ہے؟ کہنے لگے: ہم ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگوں نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کا حکم ہے، پس وہ تورات لے آئے، اس کو کھولا، ان میں سے ایک صاحب نے رجم والی آیت پر ہاتھ رکھا، اور اس سے آگے پیچھے پڑھنے لگے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا: ہاتھ اٹھاؤ، چنانچہ جب ہاتھ اٹھایا تو وہاں رجم والی آیت موجود تھی۔ یہودی کہنے لگے: اے محمد! اس (عبداللہ) نے سچ کہا، اس میں رجم والی آیت ہے، چنانچہ آپ کے حکم سے وہ دونوں سنگسار (رجم) کیے گئے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا وہ مرد اس عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس کے اوپر جھک رہا تھا۔‘‘

یہودیوں کی بدکاری کے اس قضیے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوائی، اور تورات میں موجود رجم کے حکم کے مطابق ان یہودیوں کو رجم کرنے کے احکام جاری فرمائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پچھلی شریعتیں اب بھی حجت ہیں۔ (۹)

عقلی دلیل

صاحب کشف الاسرار رقم طراز ہیں:

’’أَنَّ الرَّسُولَ الَّذِي كَانَتِ الشَّرِيعَةُ مَنْسُوبَةً إِلَيْهِ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ رَسُوْلًا بِبَعْثِ رَسُوْلٍ آخَرَ بَعْدَهُ فَكَذَا شَرِيْعَتُهُ لَا يَخْرُجُ مِنْ أَنْ يَّكُونَ مَعْمُوْلًا بِهَا بِبَعْثِ رَسُولٍ آخَرَ مَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ النَّسْخِ فِيْهَا۔‘‘(۱۰)

’’وہ رسول جس کی طرف شریعت منسوب ہوتی ہے، نئے رسول کی بعثت کی وجہ سے رسول ہونے سے نہیں نکلتے، اسی طرح ان کی طرف منسوب شریعت دوسرے رسول کی بعثت کی

وجہ سے معمول بہا ہونے سے نہیں نکلتی، جب تک نسخ کی دلیل قائم نہ ہو۔‘‘

اس دلیل کی وضاحت یہ ہے کہ رسول کی طرف شریعت کی نسبت اس شریعت کی حقانیت اور عنداللہ پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔ رسول کو اس لیے مبعوث کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اس شریعت کا عنداللہ پسندیدہ ومقبول ہونا بتلائے، پس جب کسی رسول کی بعثت کی ذریعے اس پر نازل کی گئی شریعت کا پسندیدہ ومقبول ہونا معلوم ہوجائے، تو دوسرے رسول کی بعثت سے اس شریعت کی پسندیدگی وقبولیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ حسب سابق عنداللہ پسندیدہ ومقبول رہتی ہے، اسی طرح وہ شریعت غیر منسوخ اور قابل عمل بھی رہے گی، جس طرح دوسرے رسول کی آمد سے پہلے غیر منسوخ وقابل عمل تھی، بلکہ دوسرے رسول کی آمد و بعثت سے اس کی حقانیت کی مزید تائید ہوگی۔ حسبِ ذیل آیاتِ قرآنیہ سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے:

’’وَأَنْزَلْنَا إِلَيْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔‘‘ (المائدۃ:۴۸)

’’اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی، تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان۔‘‘

بلا امتیاز تمام انبیاء ورسل کو ماننا اور قرآن مجید کا کتب سابقہ کی تصدیق کرنا اسی بات کا متقاضی ہے کہ پچھلی شریعتیں اب بھی عنداللہ پسندیدہ، غیر منسوخ اور قابل عمل ہیں، اس سے حسب ذیل نتیجہ ہی اَخذ ہوتا ہے:

’’أَنَّ الْأَصْلَ فِي شَرَائِعِ الرُّسُلِ -عَلَيْهِمُ السَّلَامُ- الْمُوَافَقَةُ إِلَّا إِذَا ظَهَرَ تَغْيِيرُ حُکْمٍ بِدَلِيلِ النَّسْخِ۔‘‘(۱۱)

’’انبیاء کی شریعتیں اصالۃً باہم موافق ومطابق ہیں، الا یہ کہ دلیل شرعی کے ذریعے سے کسی حکم کا منسوخ ہونا معلوم ہوجائے۔‘‘

اس مضمون کو حسب ذیل اسلوب وانداز میں بھی بیان کیا گیا ہے:

’’یعنی انبیاء سابقین کی طرف جس شریعت کی نسبت ہوتی ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے، ان انبیاء کی شریعت نہیں، جو ہم سے پہلے گزرے ہیں، اس لیے کہ ارشاد خداوندی: (شرع لکم من الدین) کے بموجب اللہ تعالیٰ ہی شرائع واحکام کے شارع ہیں، اس لیے کہ اس آیت میں اللہ نے شریعت کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف دعوت دینا اور بندوں کو اس کی تبلیغ کرنا ہر نبی پر واجب ہے، الا یہ کی کسی حکم کا منسوخ ہونا ثابت ہوجائے، جس کے ذریعے اس بات کا علم حاصل ہو جائے کہ زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے مصلحت تبدیل ہوگئی۔ اور جب تک نسخ اور تبدل مصلحت ثابت نہ ہو، تو محض رسول کی وفات کی وجہ سے شریعت کا اختتام پذیر ہونا جائز نہیں

ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف تناقض کی نسبت لازم آئے گی۔‘‘(۱۲)

ان تمام نقلی اور عقلی دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شرائع سماویہ میں اُصل استمرار وبقاء ہے، اسی لیے ناسخ صریح کے ظہور تک ہمارے اوپر ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کی اتباع واجب ہے، لیکن جمہور اُصولیین کا یہ مسلک نہیں، ان کی نظر میں متذکرہ بالا تمام استدلالات محل نظر ہیں۔ امام غزالیؒ نے ایک ایک استدلال کا جواب دیا ہے۔

حواشی

۱:......اُصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۲۔

۲:......اُصول السرخسی، ج:۲، ص:۱۰۰۔

۳:......دیکھئے کشف الاسرار، ج:۳، ص:۲۱۳۔

۴:......دیکھئے اُصول سرخسی، ج:۲، ص:۱۰۰۔

۵:......صحیح البخاری، باب قولہ: (والجروح قصاص) رقم:۴۶۱۱۔

۶:......دیکھیے، المستصفیٰ لأبی حامد الغزالی، ج:۱، ص:۱۶۸۔

۷:......المصنف لعبد الرزاق، رقم:۲۲۴۵، ج:۲، ص:۳۔

۸:......سنن أبی داود، باب فی رجم الیہودیّین، رقم:۴۴۴۶۔

۹:......المستصفیٰ لأبی حامد الغزالی، ج:۱، ص:۱۶۸۔

۱۰:......کشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۳۔

۱۱:......ایضاً۔

۱۲:......کشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ج:۳، ص:۲۱۴۔

(جاری ہے)

نیاز ؒ کی چند بے نیازیاں

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

برادرِعزیز مولانا مفتی محمد نیاز بن محمد یونس مرحومؒ ۱۹۷۲ء کو ضلع اٹک کے مشہور قصبہ ''شینکہ'' میں پیدا ہوئے، ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم شینکہ اور اطراف میں حاصل کی۔ سن ۱۹۸۹ء میں ''شینکہ'' قصبہ کے ذیلی گاؤں ''بہبودی'' سے تعلق رکھنے والے معروف علمی خانوادے کی ایک اہم ہستی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دینی عقیدت وعلاقائی نسبت کی بنا پر ان کے زیرِ اہتمام جامعہ میں داخلے کے لیے کراچی آئے۔ جامعہ کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر میں درجہ اولیٰ کے لیے داخلہ منظور ہوا، درجہ اولیٰ سے رابعہ تک سن ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۹ء تا سن ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۲ء مسلسل چار سال وہیں زیرِتعلیم رہے۔ درجہ خامسہ سے سابعہ تک سن ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۳ء تا سن ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۵ء جامعہ مرکز میں پڑھتے رہے۔ درجہ سابعہ کے اختتام پر ذاتی ذوق اور خاص اساتذۂ کرام کی مشاورت سے فنون میں پختگی اور رُسوخ کے لیے سوات صوبہ سرحد چلے گئے، ایک سال فنون کی تعلیم کے بعد ۱۹۹۶ء میں دورۂ حدیث کے لیے دوبارہ جامعہ میں آئے، یہاں سے پیشرو قافلے کا ایک علمی مسافر ہمارے قافلے میں شامل ہوگیا۔

داخلے کے نظم میں یہ جدید طالب علم، میل جول، اپنائیت واُنسیت اور اساتذہ کے قرب واعتماد میں وہی قدیم طالب علم رہا۔ رفقاء درس کے لیے بظاہر نئی جماعت کا نیا طالب علم تھا، مگر اپنے حسنِ برتاؤ سے ایسا لگتا تھا کہ گویا یہ شروع تا حال اسی جماعت کے رکنِ رکین چلے آرہے ہوں، یہاں تک کہ مجھ جیسے عزلت پسند بے نام طلبہ کے لیے بھی دیرینہ انیس وجلیس کا روپ دھارے رہتے تھے اور آپ کے کریمانہ رویّے سے مجبور ہوکر مجھے بھی ان سے اُنس ومجالست کا موقع میسر آنے لگا تھا، بالخصوص بڑے بھائیوں جیسے مخلص، خیرخواہ، مہربان وکرم فرما حضرت مولانا اعجاز احمد بن مولانا سعیدالرحمٰن صاحب (کاغانی) مولانا محمد نیاز صاحب کے خامسہ تا سابعہ کے ہم سبق رہے تھے اور مولانا اعجاز احمد صاحب کے ساتھ

ہمارا صرف علاقائی ہی نہیں، بلکہ بڑے بھائیوں جیسا احترام کا رشتہ بھی تھا، جس کی بدولت اعجاز صاحب کی نیاز صاحب کے ساتھ بے تکلفی، نیازمندی اور بھائی بندی کا اچھا خاصا حصہ مجھے بھی میسر آیا۔

نیاز صاحب کے ساتھ نیازمندی کا یہ تعلق دورۂ حدیث کے سال سے قائم ہوا اور ۱۹۹۶ء/۱۴۱۷ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تخصص فی الفقہ الاسلامی کے دو سال مزید مستحکم ہوگیا، اب کبھی کبھار کی نشستیں درسگاہ، کمرہ اور خورد ونوش کی محفلوں تک یک جا ہوگئیں اور تقریباً ہمہ وقت کی نشست وبرخاست، آمد ورفت، بلکہ مواسات ومواخات کا گہرا تعلق قائم ہوگیا، اس عرصہ میں خدمت واکرام میں ان کے کام اور مقام کو کوئی ساتھی نہیں پا سکتا تھا۔ بالخصوص راقمِ اثیم اپنے متعدد جسمانی عوارض اور طبعی کسالت کی وجہ سے کبھی محترم نیاز صاحب کے ساتھ مسابقہ ومقابلہ میں شریک ہی نہیں ہوسکا۔ دورانِ تعلیم اور اس کے بعد ایک عرصہ تک بندہ اکثر وبیشتر بیمار رہتا تھا، اس دوران جب بھی خدمت کی ضرورت پڑی یا علاج ومعالجہ میں مشاورت ومعاونت درکار ہوئی تو نیاز ہی نے نیازمندی سے نوازا، بلکہ وہ مختلف دیسی ٹوٹکے اور دواؤں کی اچھی خاصی معلومات بھی رکھتے تھے، اسی مناسبت سے ہم نے ان کے کسی ہم نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ پڑھا تو خوش طبعی کے طور پر ہم نے ڈاکٹر کا لفظ اپنے نیاز کے نام سے جوڑ دیا اور انہیں ڈاکٹر نیاز، ڈاکٹر صاحب اور ہمارے ڈاکٹر صاحب وغیرہ کے القاب سے پکارنے لگے، ہماری بے تکلفی کی وجہ سے ہماری طرح وہ بھی ''ڈاکٹر'' کے لفظ سے محظوظ ہوتے تھے۔

بہرحال ''ڈاکٹر'' اور ''مریض'' کا یہ تعلق اس وقت مزید گہرا ہوچلا جب شوال ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد ہمارا ایک ساتھ جامعہ کے شعبۂ تدوینِ فتاویٰ میں تقرر ہوا، اور مفتی نیاز صاحب کو ساتھ ساتھ ناظم دارالاقامہ کی ذمہ داری بھی سپرد کی گئی تو عملی زندگی میں اشتراکِ عمل کا یہ پہلا مرحلہ تھا، تقریباً دو تین سال کا عرصہ ہم نے شعبۂ تدوین میں ایک ساتھ کام کیا، جہاں دارالافتاء سے جاری شدہ پرانے فتاویٰ میں سے انتخاب، ترتیب، تنقیح، تخریج اور تبییض کا کام کرتے رہے۔ ۱۹؍مئی ۲۰۰۰ء میں حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد ان کے بعض امور جب حضرۃ الشیخ مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئے تو اُنہیں معاون وخادم کی ضرورت تھی، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مدظلہم کی حضرت مفتی صاحب کے ساتھ مشاورت کے نتیجے میں بندہ کو ۱۶؍ستمبر ۲۰۰۲ء میں مجلس شوریٰ کے فیصلے کے تحت شعبۂ تدوین سے شعبۂ تخصص فی الفقہ الاسلامی میں حضرت کے معاون وخادم کے طور پر منتقل کردیا گیا، جبکہ برادرم مفتی محمد نیاز صاحب خوب محنت، دلجمعی اور لگن کے ساتھ تدوینِ فتاویٰ کا کام کرتے رہے۔ تقریباً سن ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء تک مستقل اس شعبہ سے وابستہ رہے، اس کے بعد سن ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء کو بطور معاونِ مفتی دارالافتاء میں منتقل کردیئے گئے، اور دارالافتاء کے معاون

مفتی کی حیثیت سے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دینے لگے۔ تمرین اور تدوینِ فتاویٰ کی مخلصانہ محنت کے بعد ''معاون مفتی'' کی حیثیت سے ان کی ترقی، سابقہ محنت پر مہرِ قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ بہرحال صبر واستقامت اور محنت ولگن کے ساتھ آپ نے جو کام کیا وہ بھی قابل رشک ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ اس شعبے میں بھی اپنی کارکردگی کے ذریعہ مجھ پر فوقیت وبرتری لے گئے، جامعہ کے شعبۂ تدوین میں میرے اور ان کے کام کا تناسب شاید آٹے اور نمک کے برابر بھی نہ ہو۔

شوال ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں جب ہمارا تقرر ہوا تھا تو اس وقت برادرِ مرحوم، مولانا مفتی رشید احمد اوکاڑوی اور راقم الحروف کو کچھ انتظامی ذمہ داریاں بھی سونپی گئی تھیں، میرے دونوں رفقاء بالخصوص ڈاکٹر نیاز اساتذہ وطلبہ کی خدمت کے سابقہ تجربہ، اساتذہ کے تعلق واعتماد کی وجہ سے ہر قسم کے انتظامی امور کی عمدہ صلاحیتوں کے مالک تھے، اسی بنیاد پر انہیں بلاتأمل دارالاقامہ، مطعم اور تکرار ومطالعہ وغیرہ کی انتظامی ذمہ داریاں شروع ہی سے سونپ دی گئیں تھیں، جبکہ اس ناکارہ کو کچھ تأمل کے بعد آہستہ آہستہ چند انتظامی ذمہ داریاں دی گئیں، جو چند سالوں کے تجربہ کے بعد تقریباً ختم بھی ہوگئیں، جبکہ برادرم مفتی محمد نیاز رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی بڑی دلجمعی اور ثابت قدمی سے اپنی تمام انتظامی ذمہ داریوں کو تقرر کے وقت سے تادمِ آخر مستقل طور پر نبھایا اور خوب خوب نبھایا۔ ہر انتظامی کام میں حاضر باش اور فردِ کامل کے طور پر ہمہ وقت آپ دستیاب رہتے تھے۔ انتظامی ذمہ داریوں کے پورے عرصے میں وہ جامعہ کے دارالاقامہ میں اَکیلے رہا کرتے اور سال میں ایک دو مرتبہ بچوں سے ملنے گاؤں جاتے تھے۔ ہمارے مدارس کے نظم میں جو اساتذہ اور منتظمین اس طرح اکیلے رہتے ہیں، اگرچہ طلبہ کرام ان کی خدمت کو سعادت سمجھ کر ہر قسم کی راحت رسانی کا خیال رکھتے ہیں، اس کے باوجود والدین اور بیوی بچوں سے دوری کا احساس اور کئی قسم کی دشواریوں کا سامنا بہرحال رہتا ہے، جس کا صحیح ادراک وہی لوگ کرسکتے ہیں جو اس مرحلے سے خود گزر چکے ہوں، بہرکیف یہ بہت ہی بڑی قربانی اور جاں فشانی کا کام ہے، اور اس میں اچھے خاصے لوگ بہت جلد ہمت ہار جاتے ہیں، مگر برادرم مفتی محمد نیاز صاحب مرحوم نے اس قربانی اور جاں فشانی میں بھی مجھ سمیت کئی رفقاء کار کو بہت پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔

۲۰۰۵ء میں جب بندہ نے کچھ مشکلات اور مجبوریوں کی بنا پر حضرت مہتمم صاحب (مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب) ادام اللہ فیوضہم کو جامعہ کے رہائشی مکانات میں گھر کے لیے درخواست دی تو حضرت ڈاکٹر صاحب کی کرم فرمائی سے وہ منظور بھی ہوگئی اور میں دارالاقامہ کے کمرے سے جامعہ کے رہائشی مکان میں منتقل ہوگیا، یوں بندہ تھوڑے عرصہ کی معمولی خدمت کے بعد ایک بڑی راحت ورعایت سے مستفید ہوگیا، مگر تنہائی کی زندگی کی مشکلات فراموش نہیں ہوئی تھیں، اس لیے کچھ عرصہ کے بعد ازراہِ ہمدردی میں نے برادرم نیاز صاحبؒ سے کہا کہ آپ بھی جامعہ کے گھروں

میں رہائش کے لیے درخواست دے دیں، باقی اکابر کو یاددہانی میں کراتا رہوں گا، حسبِ سہولت آپ کو بھی گھر مل جائے گا، میرے اس اظہارِ ہمدردی پر ڈاکٹر نیاز نے جو استغناء آمیز جواب دیا وہ مجھے کافی بھاری لگا اور میں نے خفگی کا اظہار بھی کیا اور وہ بھی ذرا سخت الفاظ میں۔ ڈاکٹر نیاز نے کہا کہ: ''شیخ! مدرسہ والوں کو خود پتہ ہے، جب گنجائش ہوگی تو خود ہی دے دیں گے۔'' برادرم نیاز کے اس استغنائی ردِعمل کے بعد پھر اِک عرصہ تک میں نے اس موضوع پر اُن سے بات نہیں کی، لیکن میرا احساس بدستور قائم تھا، چند سال قبل ایک دفعہ پھر میں نے کہا کہ اگر آپ خود یہ مطالبہ نہیں کرسکتے تو میں آپ کے لیے درخواست بھی لکھتا ہوں اور حضرت ڈاکٹر صاحب کو پیش بھی کرتا ہوں اور موقع بموقع یاددہانی بھی کراتا رہوں گا، مگر اس مرتبہ بھی وہی پرانا جواب دُہرایا، جس پر میں نے مزید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے گستاخی کی کہ میں آئندہ اس موضوع پر آپ سے بات نہیں کروں گا اور بھی بہت کچھ کہا، جو حسبِ عادت نیاز' بے نیازی سے سنتا رہا اور اپنی خاموشی کے ذریعہ میری ساری گستاخیوں کا جواب دیتا رہا۔ نیاز کے اس طرزِ عمل کو کئی عنوانات دیئے جاسکتے ہیں، مگر میرے نزدیک سب سے ''اَہون عنوان'' اعلیٰ درجہ کی بے نیازی، حد درجہ استغناء اور غیر ضروری خودداری کا ہوسکتا ہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ اپنے منفرد مزاج میں جامعہ کو اپنا سب کچھ دینے اور جامعہ سے ''کفاف'' کے علاوہ کچھ نہ لینے کے عزیمانہ اُصول پر سختی سے کاربند تھا۔

نیاز نے زمانۂ تعلیم سے تا آخر اپنی ضرورتوں اور پریشانیوں کو ہمیشہ دبیز پردوں میں چھپانے اور دبانے کی طَرح اپنا رکھی تھی جو اس کے لیے کمال سہی، مگر ہمارے لیے کوفت کا ذریعہ بھی ہوتی تھی، یہ رویہ اس کی معمولی جھلک ہے۔

بہرحال جامعہ کی شبانہ روز خدمات کے باوجود جامعہ سے مراعات کے حصول میں ڈاکٹر نیاز اپنے عزیمانہ اُصول پر زندگی بھر کاربندرہا اور گزشتہ رجب وشعبان ۱۴۳۸ھ میں جامعہ کے رہائشی مکانات میں جب گنجائش ہوئی تو اُسی کے اصول کے مطابق حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم نے ایک گھر اپنے صواب دیدی فیصلے کے تحت محترم مفتی محمد نیاز صاحب مرحوم کے لیے مختص کردیا اور اس کی چابیاں اُن کے حوالے کردی گئیں۔ گھر ملنے کے بعد نئے گھر کی سیٹنگ اور لوازمات کے لیے حسبِ معمول وہ خود ہی تجربات کرتا رہا اور کسی بھی ادنیٰ یا اعلیٰ ضرورت کے لیے کسی کے سامنے کوئی اظہار نہیں کیا، بلکہ اپنے محدود وسائل سے گھر کی بنیادی ضروری اشیاء، گھونسلا بنانے والی چڑیا کی طرح خود ہی جمع کرتا رہا، جس کی وجہ سے گھر ملنے کے باوجود بچوں کو یہاں لانے میں کئی مہینے لگ گئے اور ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ کے آخری ہفتہ میں اُن کے آدھے اہلِ خانہ مہینوں کی تیاری اور انتظار کے بعد جامعہ کے گھر میں منتقل ہوئے۔ والدہ صاحبہ اور دو بڑی بچیاں وہیں گاؤں میں رہیں، اہلیہ محترمہ، دو بچیاں اور ایک

آٹھ سالہ بچہ شہری زندگی کی بہت ساری آرزوئیں دل میں بسائے ہوئے ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ کے آخری ہفتہ میں جامعہ کے گھر میں بسنے آئے، مگر قسامِ ازل کی تقدیر بندوں کی تدبیر پر ایک ہفتہ تک مسکراتی رہی اور اگلے جمعہ یکم محرم ۱۴۳۹ھ کو عین زوال کے وقت فرشتۂ اجل اپنے پروں کے سائے میں ہمارے ڈاکٹر نیازؒ کو مقامِ اجل تک لے گیا اور پارکنگ پلازہ صدر پہنچتے ہی ’’أمرِ ربی‘‘ کی تعمیل ہوگئی اور ڈاکٹر نیازؒ نے چپکے سے تمام شناساؤں کی نظروں سے اوجھل ہوکر جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور خالقِ حقیقی کی آغوش میں جا بسا، فإنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون۔

ڈاکٹر نیاز کو جتنا میں جانتا ہوں کبھی زندگی میں اپنے قول، فعل یا ضرورت و حاجت کے حوالے سے کسی پر ذرا بھی بوجھ بننے سے انتہائی پرہیز کرتا تھا، کہیں آنا جانا ہو یا سفر پر روانگی یا واپسی کا موقع، اپنی ترتیب سے اچانک آئے اور گئے، یہاں تک کہ بیماری و علالت میں بھی کسی کے سامنے اظہار یا شکایت نہیں دُہراتے تھے، یہ زندگی کا معمول تھا، نیاز صاحب نے جب آخرت کے لیے رختِ سفر باندھا تھا، اس وقت بھی یہی معمول نظر آتا ہے، سردرد اور بلڈ پریشر کی شکایت ہے، سینے اور کمر میں بھی تکلیف مگر گھر میں محوِ استراحت رہا، تکلیف کی شدت پر معمول کی ابتدائی طبی امداد کے لیے جامعہ کی کلینک آیا اور ڈاکٹر عارف احمد صاحب سے سردرد کی شکایت کی، ڈاکٹر عارف احمد صاحب نے چیک اپ کے بعد انہیں کارڈیو جناح ہسپتال جیسے ڈراؤنے مقام جانے کا مشورہ دیا اور پرچی بھی تھمادی، مگر ہمارے ڈاکٹر نیاز ہیں کہ جو اُسے معمول کی طبی مشاورت سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کے خودساختہ استغنائی اُصول کو اب بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر عارف احمد صاحب کی ’’کارڈیو‘‘ کی پرچی ہاتھ میں لیے ہوئے اپنے دراز قد و قامت کی جھوم دار چال چلتے ہوئے جامعہ کے شرقی گیٹ کی طرف گئے، ایک طالب علم کے ساتھ علیک سلیک ہوئی، طالب علم نے اپنی کسی ضرورت کا اظہار کیا، اُسے ہمدردانہ لہجے میں جواب بھی دیا اور طبیعت پر بوجھ ہونے کی وجہ سے طالب علم کی خدمت نہ کرسکنے پر اس سے معذرت کرتے ہوئے چند لمحے کے لیے مہمان خانہ میں بیٹھے، پھر تقریباً ۱۲:۱۸ منٹ پر وہاں سے نکلے، بلیوکراس کے سامنے روڈ پار کرکے مقامِ اجل کی طرف جانے والے رُخ سے اکیلے رکشہ میں سوار ہوئے اور صدر کے پارکنگ پلازہ پہنچ کر ’’إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَايَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ ‘‘اور’’وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ‘‘ کا سبق ہم سب کو یاد دلاکر راہیِ سفرِ آخرت ہوگئے اور رکشہ ڈرائیور اس مسافرِ آخرت کو مریض سمجھ کر ایدھی ایمبولینس کے ذریعہ جناح ہسپتال تک لے گیا، اُدھر جمعہ کی چھٹی اور نماز کے وقت کی وجہ سے کسی سے رابطہ بھی نہیں ہو پا رہا تھا، مگر ڈاکٹر عارف احمد صاحب کی پرچی پر نیاز صاحب نے فرمائش کرکے ان کا نمبر لکھوایا تھا، جو احتیاطی تدبیر سے زیادہ غیبی تقدیر کے تحت لکھوایا گیا تھا، ورنہ عام طور پر ڈاکٹر عارف احمد صاحب ان صاحب کا نام اور نمبر لکھ کر دیتے ہیں جو متعلقہ ہسپتال

میں ہمارے مریض کے ساتھ تعاون کی خدمت انجام دیتا ہے، چنانچہ دو بجے کے بعد ڈاکٹر عارف احمد صاحب کے نمبر پر ہسپتال سے اطلاع آئی کہ آپ کا مریض داعئ اجل کو لبیک کہہ چکا ہے۔

یہ خبر آناً فاناً جامعہ پھر شہر کراچی بلکہ پورے ملک میں جامعہ کے متعلقین اور فضلاء کو پہنچ گئی اور ایک دو گھنٹے کے اندر اندر تجہیز و تکفین کے سارے انتظامی اور راہداری کے مراحل طے پا کر عصر کی نماز کے ساتھ ہی نیاز کا جسدِ خاکی اپنی جائے خمیر پہنچنے کے لیے تابوت میں بند ہو کر تیار ہو گیا اور چھٹی کے باوجود عصر کی نماز تک جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ مختلف مدارس کے طلبہ واساتذہ اور کثیر تعداد میں عوام نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور ڈاکٹر نیاز اُن خوش نصیبوں میں شامل ہو گیا جن کی نمازِ جنازہ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم نے پڑھائی اور پھر حضرت ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے برادرم مولانا ڈاکٹر سعید خان اسکندر، مولانا طلحہ رحمانی اور راقم الحروف اپنے دیرینہ رفیق کے جسدِ خاکی کے ہمراہ اسلام آباد کے راستے سے اَٹک گئے، اگلے دن ظہر کی نماز میں دوبارہ اُن کی نمازِ جنازہ ہوئی، جس میں علاقے کے روایتی لوگوں کے علاوہ دور دراز سے کثیر تعداد میں علماء اور فضلاء جامعہ شریک ہوئے۔

نمازِ جنازہ کے بعد تدفین کے موقع پر جامعہ کے قدیم فاضل' سابق استاذ اور جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے منتظم اعلیٰ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب مدظلہٗ نے تذکیر بالموت اور برادرم محمد نیاز کے تذکرے پر مشتمل وعظ بھی فرمایا۔ مولانا عبدالغفار صاحب' نیاز صاحب کے ملیر کے زمانے کے ابتدائی مخلص اساتذہ میں سے ہیں، مگر انہوں نے نیاز صاحب کے بارے میں جس انداز سے اظہارِ خیال فرمایا، اس میں شفقت سے زیادہ عقیدت کا اظہار تھا، کسی طالب علم کی اس سے بڑھ کر کیا خوبی ہوسکتی ہے کہ اس کا استاذ اُسے شرافت، امانت، دیانت اور اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی سند مجمعِ عام میں عطا کرے، اسی پر اکتفاء نہیں، بلکہ مولانا عبدالغفار صاحب نے فرمایا کہ: میری زندگی کا بیشتر حصہ طلبۂ دین کی تعلیم و خدمت میں گزرا ہے، میرے علم میں مولانا مفتی نیاز صاحب مرحوم کی ایک پوشیدہ خدمت ہے جس کا اعزاز آج تک مجھے بھی حاصل نہیں ہوا، وہ یہ کہ جامعہ بنوری ٹاؤن میں زیرِتعلیم ہمارے کچھ شاگردوں نے بتایا کہ ہم نے متعدد بار رات کی تاریکی میں مفتی نیاز صاحب کو طلبہ کے بیت الخلاء کی صفائی کرتے دیکھا، یہ تجسس اس لیے ہوا کہ ایک عرصہ میں جامعہ کے بیت الخلاؤں کی صفائی پر مامور جمعدار اپنی ذمہ داری پوری نہیں کررہے ہوتے تھے، مگر بیت الخلاءرات کو مستعمل اور صبح صاف ملتے تھے، اس تجسس نے مفتی نیاز صاحب کی اس چھپی چھپائی نیکی کو آثارِ قبولیت کے طور پر ظاہر کردیا، یہ وہ سعادت اور کمال ہے جس کے لیے ہم حضرت مدنیؒ اور حضرت بنوریؒ کی مثالیں دیا کرتے تھے، مگر الحمد للہ! ان بزرگوں کی روحانی اولاد میں بھی ایسے لوگ ملتے ہیں جو اس متواضع سعادت سے بھی ہم کنار ہوئے ہیں۔

اس طرح کی نجانے اور کیا کیا خوبیاں اور نیکیاں تھیں جو برادرم نیاز صاحب نے صرف اپنی آخرت کے

لیے چھپا رکھی تھیں اور اُن پر دادیا اجر صرف اپنے رب سے لینے کا ایمان لے کر رخصت ہوگیا۔

نیاز پر اِخفاء وخمول کا حد درجہ غلبہ تھا، وہ اپنی نیکیوں اور خوبیوں کو چھپائے رکھنے میں خوب کامیاب رہتے تھے، مگر اس کے باوجود نیاز کی بعض خوبیاں ایسی ہیں جو دیرینہ رفاقت، اشتراکِ عمل اور جامعہ کے عرصۂ خدمت میں ایسی ظاہر ہوئیں کہ کسی ادنیٰ واعلیٰ فرد سے پوشیدہ نہیں رہیں اور جامعہ کا ہر فرد اس کی گواہی دے گا، یہ چند متأثر کن خوبیاں ایسی ہیں کہ دینی مدارس سے وابستہ افراد کے لیے فی زمانہ تذکیر کا درجہ رکھتی ہیں، اس لیے اُنہیں اس جذبے کے ساتھ دُہرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید ان خوبیوں کی دُہرائی خود حقیر پر تقصیر کے لیے بھی تذکیر کا سامان بنے اور میرے جیسے دیگر لوگ بھی استفادہ کرسکیں اور مدرسہ کی زندگی میں کوئی ان خوبیوں سے عاری ہو تو وہ ان خوبیوں سے آراستہ ہونے کی کوشش کرے۔

ابتدائی سطور میں بتا آئے ہیں کہ برادرم مولانا مفتی محمد نیاز یونس رحمۃ اللہ علیہ سے میری رفاقت کا عرصہ تقریباً دو دہائیوں سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے، یہ زمانے کسی بھی انسان کی جانچ پرکھ کے لیے غیر معمولی عرصہ ہے، اس طویل عرصہ میں طرح طرح کے نشیب وفراز بھی فطری امور کا حصہ ہیں، مگر میں نیاز صاحب کی جو خوبیاں ذکر کرنے جارہا ہوں، جو میرے لیے قابل رشک ہیں اور قابل تقلید ہیں، میں نے کسی قسم کے اُتار چڑھاؤ کے بغیر استقلال کے ساتھ مشاہدہ کیں، وہ یہ ہیں:

۱:......تواضع وانکساری

نیاز صاحب کو میں نے انتہائی متواضع، منکسر المزاج، وضع دار اور ملنسار انسان پایا، دورانِ تعلیم وہ ہر طالب علم سے اخلاق ومروت سے پیش آتے تھے، رفقاء واساتذہ کی شہادتیں موجود ہیں کہ انہوں نے ہر چھوٹے بڑے طالب علم کے ساتھ عاجزی وانکساری کا رویہ اپنا رکھا تھا جس کی بدولت کوئی ان سے کسی معاملے میں شاکی نہیں تھا، یہی معاملہ عرصۂ خدمت میں طلبہ، فضلاء اور اساتذہ کے سامنے بھی مستقل رکھنے میں کامیاب رہے۔ تکبر، غرور، نخوت اور احساسِ برتری کا معمولی شائبہ بھی محسوس نہیں ہونے دیتے تھے، اس وقت ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' کی وبا ہمارے مجالِ عملی میں سرایت کرنے آرہی ہے، ہمیں احتیاط کی اشد ضرورت ہے۔

۲:......حیاء ومروت

دوستانہ ماحول میں تفریحِ طبع کے لیے محفل گرمانے کی خاطر ہر کوئی اپنا اپنا حصہ ملایا کرتا ہے، پھر اسفار یا تفریحی پروگراموں میں کبھی کبھار حیاء ومروت کے تقاضے رخصت وتسامح کی نذر ہوجایا کرتے ہیں، مگر مجھے یاد نہیں پڑتا کہ نیاز صاحب مرحوم نے کبھی گپ شپ اور محفل گرمانے کے لیے اپنے قول وفعل میں حیاء ومروت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے دیا ہو، گفتگو میں، لباس وپوشاک میں، حیاء ومروت کی خلاف ورزی سے اجتناب ان کا خصوصی وصف تھا۔

۳:......صلح جوئی اور نرم خوئی

طلبہ، رفقاء یا عملے کے ساتھ اُلجھاؤ سے زیادہ سلجھاؤ اور صلح جوئی کی کوشش کیا کرتے تھے۔ بعض طلبہ ہر قسم کی بدنظمی، بے قاعدگی اور بدسلیقگی کو اپنا طالب علمانہ حق سمجھا اور جتلایا کرتے ہیں اور اس پر تنبیہ وتذکیر کو سختی ودرشتی سے تعبیر کیا کرتے ہیں، یہ سوچ اور رویہ خالصۃً اُلجھاؤ اور سخت گیری کا متقاضی ہے، مگر محترم نیاز صاحب ایسے موقع پر اُلجھاؤ کی بجائے ایسی حرکتوں کو طالب علمانہ سفاہت کی ٹوکری کی نذر کر دیا کرتے تھے اور اپنی ذمہ داری کو حکمت ومصلحت کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کبھی رفقاء کار کے درمیان ذمہ داریوں کے تناوب وتقسیم یا بجاآوری میں سختی نرمی کا موقع آجاتا تو نیاز صاحب ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ اور محاذ آرائی سے ایسے گریزاں رہتے کہ باہمی بڑے سے بڑا تناؤ لمحوں میں ختم ہوجاتا، اسی طرح عملے کے ساتھ نرم خوئی، رواداری اور ملنساری سے پیش آتے جس کی بدولت عملے سے کام لینا آسان ہوجاتا اور عملہ آپس میں خوش دلی سے باہمی تعاون کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھاتا۔

صلح جوئی اور نرم خوئی ہر اجتماعی کام کے لیے بنیادی ضرورت ہے، بالخصوص ہمارے حلقے میں دوسروں کے لیے مثال بننے کی خاطر از بس ضروری ہے۔

۴:......اساتذہ کا احترام

اساتذہ کا ادب واحترام ہمارے مدارس کا شعار ہے، عموماً اس کا پاس رکھا جاتا ہے، مگر انتظامی ذمہ داریوں میں کبھی یہ ادب واحترام آزمائش بن جاتا ہے، بسا اوقات جونیئر منتظم دو مشکلوں کے پیچ پھنس جاتا ہے، ایک طرف انتظامی پریشانیوں سے بالاتر رہنے والے اساتذہ کرام کے انفرادی اذواق کی رعایت رکھنا، دوسری طرف ادارے کے نظم کا پاس پالنا' ایسے موقع پر، انفرادی ذوق' اجتماعی نظم کے سامنے اصولاً نظرانداز ہوسکتا ہے، اجتماعی زندگی کے شرعی اُصولوں کے مطابق یہ نظراندازی قابلِ شکوہ بھی نہیں ہوتی، مگر پھر بھی انفرادی ذوق کی رعایت کے طلب گار حضرات ایسے اصولوں کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں اور ناگواری کا اظہار بھی فرمادیا کرتے ہیں، ایسے مشکل مواقع پر محترم نیاز صاحب نے حتی الوسع اساتذہ کے مقام واحترام کا پاس رکھا اور جامعہ کے نظم کو برقرار رکھنے کی کوشش بھی کی اور بعض موقعوں پر بعض اساتذہ کی بجا یا بےجا ناراضگی کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنے سے شاکی اساتذہ کے بارے میں حرفِ شکایت زبان پر لانے سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

اس کے علاوہ نشست وبرخاست اور میل ملاقات میں معاصر ومتقدم سب اساتذہ کے ساتھ نہایت تواضع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔

اس وقت اجتماعی نظم میں برداشت کا مادہ کمزور ہوتا جارہا ہے اور بشمول میرے یہ کوشش ہوتی

ہے کہ میرے مقام کا ہر حال میں پاس رکھا جائے، جبکہ اس سوچ کے لوگ کم ہوتے جارہے ہیں کہ میری طرح سامنے والے کا کوئی مقام بھی ہوسکتا ہے، اس کا خیال رکھنا بھی دوسرے کے حقوق اور میرے فرائض میں شامل ہے۔ ہمیں اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنا چاہیے، یا کم از کم اُنہیں اپنے جتنا درجہ دینے کی عادت اپنانی چاہیے۔ زندگی کا اُصول یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ''میں اور میرے لیے سب کچھ، آپ اور آپ کا کچھ نہیں۔'' الحمدللہ! نیاز کی زندگی کا اُصول اس کے برعکس رہا۔

۵:......غیبت وعیب جوئی سے اجتناب

غیبت وعیب جوئی جتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے، ہمارے حلقوں میں اس کا شیوع اتنا ہی عام ہو چکا ہے، مسلمانوں کی شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہو جس میں اس گناہ کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو، مگر مجھے یاد نہیں ہے کہ کبھی کسی مجلس میں برادرم نیاز صاحب نے کسی کی غیبت وعیب جوئی کی ہو، یا غیبت کے گناہ میں اضافہ کے لیے حصہ لیا ہو، بامرِ مجبوری ایسی مجلس میں اگر شریک ہوں تو سادگی سے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ:

''یار! دوسروں کے کپڑے مت دھویا کرو۔''

۶:...... گلے شکوے سے دوری

اجتماعی نظم میں کبھی انسان کو دوسروں کی طرف سے تعدی وزیادتی کا سامنا بھی ہو جایا کرتا ہے، ترجیحات میں نظر اندازی کا موقع بھی آ جایا کرتا ہے، کبھی نوازشات ومراعات کی استحقاقی فہرست میں شامل نہ ہونے پر فطری جذبات بھی متأثر ہو ہی جایا کرتے ہیں، جن کا اظہار معمول بہ فطری امر بھی ہے، مگر ایسے کسی موقع پر میں نے انہیں شکوے شکایات کرتے ہوئے نہیں پایا، بلکہ وہ ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ: ''یار! بڑے جو فیصلہ کریں وہ ہم سے بہتر جانتے ہیں، اسی میں خیر ہوگی۔'' اس وقت ہر اجتماعی نظم میں ''علینا ما حملنا وعلیهم ما حملوا '' کا شرعی اصول ملحوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

۷:......امانت داری

امانت داری نیاز صاحب کا امتیازی وصف تھا، جامعہ کے کئی امور، اسرار، اوقات، املاک، اساتذہ کے کئی معاملات اور جامعہ کی کئی اشیاء آپ کے پاس امانت ہوتیں، کبھی ارادی یا غیرارادی طور پر امانت کے اُصولوں کی خلاف ورزی محسوس نہیں ہونے دی اور جامعہ کی ہر چیز کو اربابِ حل وعقد اور ادارے کی امانت سمجھ کر حفاظت کیا کرتے تھے، امانات کی حفاظت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی پابندی کروانے کی مخلصانہ کوشش کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے قول وعمل سے یہ باور کرایا کہ ادارے کی ہر ہر چیز ہر ذمہ دار اور ادارے سے وابستہ ہر فرد کے حق میں امانت کا درجہ رکھتی ہے، اس میں معمولی خیانت کا ارتکاب وحدہٗ لاشریک اور کثیر تعداد مخلوق کے سامنے جواب دہی کا مستوجب ہے۔

۸: ...... جامعہ کی اشیاء کے استعمال میں احتیاط

جامعہ کی تمام اشیاء واملاک کو امانت کا درجہ دیتے تھے، اپنی ذات کے لیے جائز اور مباح تصرف سے بھی گریز کیا کرتے تھے۔ جامعہ کے مدرس، ناظم اور متعدد امور کے مسئول ہونے کے باوجود ادارے کی اشیاء کو ذاتی استعمال میں نہیں لاتے تھے، یہاں تک کہ ادارے کی طرف سے ملنے والے کئی ہدایا اور تحائف بھی جامعہ سے متعلق کسی اچھے مصرف میں صرف کر دیا کرتے۔ جامعہ کی طرف سے طے شدہ ضابطے کے تحت آمد ورفت کے لیے جامعہ کی گاڑیاں استعمال کرنے کی اجازت ہے، مگر مجھے یاد نہیں ہے کہ کبھی انہوں نے یہ استحقاق استعمال کیا ہو، اگر کہیں آنا جانا ہو تو بس میں یا رکشے میں اپنے طور پر آیا جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی ادارے سے وابستہ لوگوں کے لیے بزبانِ حال یہی سبق چھوڑ گئے کہ اگر موت جیسے مشکل سفر کے لیے بھی جامعہ کی گاڑی وغیرہ استعمال کرنے سے احتیاط ہوسکتی ہے تو کرنی چاہیے، اُسے کمالِ احتیاط واستغناء نہ کہیں تو اور کیا کہیں کہ دل کا مریض ''کارڈیو'' جارہا ہے، باہر تک پیدل اور وہاں سے رکشہ میں بیٹھ کر جارہا ہے۔ بہرحال یہ تکلیف دہ ''یاد'' نیاز کی زندگی کے معمول کا آخری مظہر ہے۔ ہمیں اس احتیاطی برتاؤ سے یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں اپنی جان پر جتنی سختیاں جھیلنی ہوں جھیل لیں، مگر وقف اداروں کی اشیاء کے غیرمحتاط استعمال کا اخروی بوجھ لے کر جانے سے گریز کریں۔

۹: ...... بے نیازی اور خودداری

میں نے دو دہائیوں سے زائد عرصہ کی رفاقت میں کبھی نیاز کو اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے، تکالیف وپریشانیاں بیان کرتے ہوئے اور اپنی ضروریات سے دوسروں کو آگاہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس انسان نے لگ بھگ دو دہائیاں چھڑے پن کے ساتھ دن رات ادارے کو دے رکھے ہوں، چوبیس گھنٹے ادارے کا وفادار مخلص چوکیدار بن کر ادارے میں دستیاب ہو، ہمہ وقت ادارے کی خدمت کے علاوہ اس کا کوئی اور مشغلہ نہ ہو، جس نے اپنا دین اور دنیا دونوں ادارے کو سمجھ رکھا ہو، ایسے شخص کا ادارے کی طرف سے ملنے والی مراعات وسہولیات میں استحقاق کیا سے کیا نہیں بنتا؟!!! آخر وہ ادارے کا کامیاب محنتی ومشاق مدرس بھی تھا، دارالافتاء کا ماہر مفتی بھی تھا، دارالاقامہ کا مسئول بھی تھا، مطعم کا ناظم بھی تھا، دن رات، چھٹی یا حاضری کے ایام میں وہ ہروقت ادارے کو دستیاب بھی رہتا تھا، ایسا شخص ادارے کی طرف سے ملنے والی مراعات نوازشات پر اگر اپنا حق جتلائے تو اسے جھٹلایا اور ٹھکرایا نہیں جاسکتا، بالخصوص وہ تو ایک قدرداں ادارے سے وابستہ تھا، مگر کبھی اس نے اپنے اس استحقاق کو استعمال نہیں کیا، دو معاملات کا تو میں عینی شاہد ہوں: ایک جامعہ کی طرف سے ملنے والے گھروں کی سہولت کی بابت جیسے اوپر ذکر ہوا کہ نیاز کا استحقاق بھی تھا اور جامعہ کے دیرینہ اصول کے

مطابق گھر ملنے کی جو ترجیحات ہیں ان پر بھی پورا اُتر رہا تھا، مگر پھر بھی اس نے از خود کوشش نہیں کی، بلکہ میرے مشورے پر میرا منہ بھی پھیکا کیا تھا۔

دوسرا تقسیمِ اسباق کے موقع پر ہر استاذ کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اسے اپنی مرضی کا سبق ملے، مگر انہوں نے کبھی خواہش و کوشش کا اظہار نہیں کیا، شاید اسی خودداری کی وجہ سے ہمیشہ اُن کے لیے کوئی نہ کوئی آواز اُٹھاتا اور ان کے لیے فن کی کسی محنت طلب کتاب کی تعیین ہو جایا کرتی تھی، اسی طرح کہیں آنا جانا ہوتو رفقاء، طلبہ اور تلامذہ کی کثیر تعداد ہر خدمت انجام دینے کے لیے تیار رہتی، مگر وہ کسی کو زحمت دینے سے بے نیاز رہتے تھے، بلکہ اپنا ہر کام تقریباً خود ہی کیا کرتے تھے۔

۱۰:...... مالی معاملات میں احتیاط

ہماری عمومی کمزوریوں میں مالی معاملات میں تساہل بھی ہے، مگر میں نے نیاز صاحب کو اس معاملے میں انتہائی محتاط و متیقظ پایا، کبھی کسی سے قرض وادھار لیتے ہوئے نہیں پایا، بلکہ دوسروں کو قرض/رقم دیتے بارہا دیکھا، ادائیگی اور وصول میں ''سمح وسہل'' کا مصداق پایا، نیز ادارے کی طرف سے زکوٰۃ کی مد میں ملنے والی اشیاء سے مکمل اجتناب کیا کرتے تھے، بلکہ تخصص فی الفقہ کے زمانے (۹۹-۱۹۹۸ء) سے ہماری ہم رکابی شروع ہوئی تھی، وہ مدرسہ کا کھانا نہیں لیتے تھے، بلکہ مجھے راز داری کے ساتھ بامرِ مجبوری یہ بتایا کہ میں صاحبِ نصاب ہوں، میں وظیفہ نہیں لیتا، اس لیے میرا مطعم سے کھانا لینا درست نہیں ہے، اس لیے میرے حصے کا کھانا نہ لایا جائے، البتہ میں ساتھیوں کی خدمت کیا کروں گا اور اس خدمت کی وجہ سے ساتھیوں کے ساتھ یا ان کے بعد کھانا کھالیا کروں گا۔ واقفانِ حال بخوبی جانتے ہیں کہ یہ معمول اُن کا جامعہ میں تقرر کے بعد بھی جاری رہا، وہ تقرر کے شروع سے آخر تک مطعم کے ناظم رہے اور ادارے کی طرف سے اس خدمت پر صبح شام ایک کھانا الاؤنس کا حصہ ہے، مگر وہ یہ بھی نہیں کھاتے تھے، وہ اپنا کھانا خود پکا لیتے تھے یا باہر سے کوئی چیز منگوا کر کھالیا کرتے تھے، نیاز یہاں بھی اپنے استحقاق سے بے نیاز ہی رہا۔

پس اگر نیاز کی ان بے نیازیوں کا خلاصہ نکالا جائے تو وہ یہی ہوگا کہ نیاز ادارے کا ہمہ وقت، ہمہ جہت ایسا کارآمد کارکن تھا جو ادارے کو اپنی خدمات دینے میں سرفہرست اور ایسے ادارے سے مراعات، سہولیات اور نوازشات سمیٹنے میں سب سے پیچھے تھا۔ بزبانِ حال یہی کہتا رہا کہ: ''نیاز اور نیاز کا کچھ نہیں، آپ اور آپ کا سب کچھ ہے۔''

فرحمهُ اللّٰه و رحم من يزي بزيه وغفره اللّٰه ولنا ولموتى المسلمين بحرمة سيد المرسلين ﷺ، آمين!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اُدھار پر سونا چاندی کی خرید وفروخت!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱:...... ہم سونے (Gold) کا کام کرتے ہیں اور اکثر ایک دوسرے سے بنا ہوا مال لیتے ہیں، مثلاً: پہلے کسی دکاندار یا کارخانے دار سے مال لیتے ہیں، مثلاً: پانچ ہزار (۵،۰۰۰) کا مال اس سے لیا تو آگے گاہک کو کچھ نفع کے ساتھ بیچ دیتے ہیں۔ پانچ ہزار (۵،۰۰۰) جس دکاندار سے مال لیا تھا، اس کو دے دیتے ہیں اور نفع خود رکھتے ہیں۔

۲:......اکثر اوقات ہمارے قریبی اعزاء ہم سے سونے کا مال لے جاتے ہیں، جیسے کہ: بہن بھائی و دیگر رشتہ دار اور دوست حضرات، لیکن پیسے اس وقت نہیں دیتے اور اس مال میں سے ان کو جو پسند آجاتا ہے، وہ لے لیتے ہیں اور پیسے بعد میں دے دیتے ہیں۔

۳:......اکثر اوقات شہر سے یا ملک سے باہر مال لے کر جاتے ہیں اور اس میں بھی یہی صورت پیش آتی ہے کہ مال دوسروں سے لے کر چلے جاتے ہیں اور اس کا ریٹ بھی طے کر دیتے ہیں، لیکن اس کے اوپر نفع لگا کر بیچتے ہیں، جہاز اور ٹرانسپورٹ کا خرچہ وغیرہ ہم خود کرتے ہیں۔

براہِ کرم قرآن وحدیث اور شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ یہ مذکورہ بالا معاملات جو ہم کرتے ہیں، جائز ہیں کہ ناجائز؟ مہربانی ہوگی۔ بالفرض اگر اس طرح کے معاملات کرنا ناجائز ہیں تو جائز حل بھی بتلا دیجئے۔ شکریہ

العارض: عبدالرحمٰن، کراچی

الجواب حامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں تینوں صورتوں میں سونا اُدھار لیا جاتا ہے، جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔ جب کہ سونے کی خرید وفروخت میں دونوں طرف سے معاملہ نقد اور ہاتھ در ہاتھ ہونا لازمی ہے، ورنہ اُدھار کی صورت میں سود لازم آتا ہے۔

اگر گاہک دُکاندار سے سونا خریدنے آتا ہے اور اس کے پاس وہ مال موجود نہیں تو کسی

دکاندار یا کارخانہ والے سے بیچنے کے لیے لے کرآتا ہے اور آگے نفع کے ساتھ بیچ دیتا ہے تو یہ درست نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دکاندار اگر کسی دوسرے دکاندار یا کارخانہ والے سے ہاتھ در ہاتھ اور نقد سونا خرید کر گاہک کو نفع کے ساتھ بیچتا ہے تو اس صورت میں نفع لینا جائز ہے، کیونکہ دکاندار نے سونا جائز طریقہ سے خرید کر قبضہ کرنے کے بعد گاہک کو نفع کے ساتھ بیچا ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر گاہک دکاندار کو خود کہے کہ یہ مال دوسرے دکاندار یا کارخانہ والے سے لے کرآ جائیں تو اس صورت میں پہلا دکاندار بطور وکیل کے گاہک کا مال لے آئے تو جتنے کا بھی وہ فروخت کرے اتنی ہی رقم بطور وکیل دوسرے دکاندار کو دی جائے گی، اس صورت میں پہلے دکاندار کے لیے نفع لینا جائز نہیں ہے۔

تاہم گھر والوں کو دکھلانے کے لیے لانا جائز ہے، لیکن جب خریدنا ہو تو دونوں طرف سے نقد معاملہ کیا جائے، اُدھار نہ کیا جائے، اس لیے گھر والوں کو دکھانے کے لیے جو چیز لے گیا تھا اس کو دکاندار کے پاس واپس لے آئے، اس کے بعد نقد دام ادا کر کے وہ چیز لے جائے۔

تاہم سود سے بچنے کا ایک طریقہ نمبر ایک اور نمبر تین میں یہ ہے کہ یا تو کارخانہ والے سے بنا ہوا مال قرض لے لیا جائے اور پھر قرض کے بدلے اُسے رقم میں ادائیگی کی جائے یا دوسری صورت یہ ہے کہ کارخانہ والے کے لیے اُجرت پر وکیل بن کر مال فروخت کیا جائے، اس صورت میں سونا فروخت ہونے کے بعد فروخت کنندہ وکیل کو صرف طے شدہ اُجرت ملے گی۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ گاہک رشتہ دار ہو یا قریبی عزیز وغیرہ یا گاہک بہت پرانا ہو اور مجبور بھی ہو تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ایسے خریدار کے لیے سنار اپنے ذرائع سے مطلوبہ رقم کا بطور قرض بندوبست کروا دے اور خریدار وہ رقم سنار کو ادا کر دے اور سونے کی خریداری کا عمل نقد کی صورت میں کر لیا جائے، یہ جائز ہے، اس صورت میں شرعی اعتبار سے کوئی ممانعت لازم نہیں آئے گی اور مجبور وضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور بعد میں وہ قرض کی رقم ادا کر دی جائے۔ یاد رہے کہ سونا خریدتے ہوئے ہاتھ در ہاتھ اگر چیک بھی دیا جائے تب بھی سونا خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ مشکاۃ المصابیح میں ہے:

’’وعن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد او استزاد فقد أربی ، الآخذ والمعطی فیه سواء۔‘‘

(مشکاۃ المصابیح، ج:۲،ص:۸۵۵، حدیث:۲۸۰۹، ط: المکتب الاسلامی، بیروت۔ باب الربا،ص:۲۴۴، مکتبہ قدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

’’وأما خیار الرؤیة فثابت فی العین دون الدین۔‘‘

(البحر الرائق، ج:۶،ص:۲۰۹،، ط: دار الکتاب الاسلامی۔ ج:۶،ص:۱۹۲، کتاب الصرف، ط: ایچ ایم سعید، کراچی)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''باب الصرف........ (هو) لغةً: الزيادة، وشرعاً (بيع الثمن بالثمن) أى ماخلق للتنمية ومنه المصوغ (جنسا بجنس أو بغير جنس) كذهب بفضة (ويشترط) عدم التأجيل والخيار و (التماثل) أى التساوى وزناً (والتقابض) بالبراجم لا بالتخلية (قبل الافتراق)۔'' (درمختار، باب الصرف، ج:۵،ص:۲۵۷، ط:سعید)

فتاویٰ مفتی محمودؒ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج مثلاً سونے کا حاضر بھاؤ ۶۰۰ روپے فی تولہ ہے، ایک سنار ہم سے ۱۰ تولہ سونا مانگتا ہے، ایک ماہ کے ادھار پر ہم اس سے کہتے ہیں کہ میں تو ۶۴۰ روپے فی تولہ دوں گا۔ وہ کہتا ہے کہ دے دو، رقم ایک ماہ میں ادا کردوں گا۔ ہم اس کو سونا دیتے ہیں تو عرض یہ ہے کہ آج کے بھاؤ سے ہمیں ۱۰ تولہ سونے میں ۴۰۰ روپے بچت ہوتی ہے، کیا یہ ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ تو بیع صرف ہے، اس میں اُدھار جائز نہیں۔ بیع سابق صحیح نہیں ہے، فاسد ہے، اس میں جو نفع ہوا ہے، خیرات کردیا جائے۔ (فتاویٰ مفتی محمودؒ، ج:۸،ص:۴۰۱، ط:جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	عامر محمود

متعلم تخصصِ فقہِ اسلامی جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

''بینات'' (اردو/عربی) کے اجراء کا طریقہ

1:...جو حضرات دفتر ''بینات'' تشریف لاسکتے ہوں، وہ دفتر آکر اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر درج کرانے کے ساتھ ماہنامہ ''بینات'' اردو کے لیے مبلغ 400 روپے اور سہ ماہی ''البینات'' عربی کے لیے 100 روپے سالانہ فیس جمع کرائیں۔

2:...دور رہنے والے حضرات اپنے مکمل پتہ کے ساتھ مذکورہ فیس کا منی آرڈر دفتر ''بینات'' کے پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کے آخر میں یہ وضاحت ضرور فرمائیں کہ یہ رقم رسالہ ''بینات'' (اردو یا عربی) کے اجراء کے لیے ہے۔

3:... یا ''بینات'' کے بینک اکاؤنٹ میں مذکورہ فیس جمع کرواکر بینک سے ملنے والی رسید اسکین کرکے اپنے نام، مکمل پتہ اور فون نمبر کے ساتھ ''بینات'' کے ای میل ایڈریس پر میل کردیں۔ یا بذریعہ ڈاک بھیج دیں۔

نوٹ:... پرانے خریدار بھی مذکورہ طریقوں سے سالانہ فیس جمع کراسکتے ہیں، مگر ان کے لیے اپنے خریداری نمبر کی وضاحت ضروری ہے (اردو اور عربی کی تعیین کے ساتھ)۔

نقد و نظر

ادارہ

المنطق الأساسی لِلطَّالب الناشئ

تالیف: مولانا بشیر احمد۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ دینیات، کراچی۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، نزد جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

منطق عموماً ایک مشکل فن سمجھا جاتا ہے، اور نسبۃً ایک حد تک یہ حقیقت بھی ہے۔ اسی سوچ کو سامنے رکھ کر اس فن کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، نفسیاتی طور پر طلبہ پہلے ہی اس فن سے مرعوب ہونے کی وجہ سے اور پھر کچھ قدیم کتب کے طرز اور کسی قدر اغلاق کی بنا پر دورانِ درس اس فن سے کماحقہٗ مستفید نہیں ہو پاتے۔ الحمد للہ! متعدد علماء کی طرف سے اس فن کی تسہیل کی کوشش کی جا چکی ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کے مؤلف مولانا بشیر احمد صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ ہیں، ماشاء اللہ! ذی استعداد اور مضبوط عالم دین ہیں۔ دورانِ درس فنِ منطق میں پیش آنے والی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے موصوف نے ابتدائی طلبہ کے لیے اس فن کی مبادیات کو آسان عبارت اور عمدہ ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے اور اس میں قابلِ ستائش حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہٗ استاذِ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن نے کتاب پر تقریظ لکھ کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، جو کتاب کے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ طلبہ کو اس کتاب سے نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ کتاب کا ٹائٹل (کارڈ کور) خوبصورت اور کاغذ اعلیٰ ہے۔

تحفۃُ المواریث

افادات: مولانا محمد فاروق حسن زئی۔ جمع وترتیب: مولانا ماہر منظور۔ قیمت: درج نہیں۔ کل صفحات: ۲۰۵۔ ناشر: النور ٹرسٹ، ابراہیم حیدری، کراچی۔

علم میراث کی اہمیت وافادیت اہلِ علم پر مخفی نہیں اور اس کی ضرورت وعظمت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں جتنی تفصیل سے میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اتنی تفصیل سے کسی اور موضوع سے متعلق احکامات بیان نہیں کیے گئے، بلکہ اکثر مقامات پر تو صرف اُصول پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تفصیل احادیثِ مبارکہ کے سپرد کی گئی ہے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ علم میراث سیکھنے سکھانے کا حکم دیا ہے اور بعض احادیث میں اسے نصف علم سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن دوسری طرف بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ جس قدر اس فن اور علم کی اہمیت ہے، اس قدر یہ علم، اہل علم کی توجہ سے محروم ہے۔ اس کے ماہرین دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں۔

زیرِتبصرہ کتاب ''تحفة المواريث'' بھی اس موضوع سے متعلق ہے، جس میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل مولانا ماہر منظور صاحب نے اپنے استاذ مولانا محمد فاروق حسن زئی صاحب کے فنِ میراث سے متعلق افادات کو قلم بند کیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف مرتب نے بڑی محنت سے عام فہم انداز میں ''فنِ میراث'' کے مسائل کو ترتیب دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ہر ہر ضابطہ کو مثال سے واضح کیا ہے اور کتاب کے آخر میں مشقیہ سو مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی محنت کو قبول فرمائیں، آمین۔

معارف الفرقان (جلد اول)

تالیف: مولانا محمود الرشید حدوٹی۔ صفحات: ۳۴۹۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامعہ رشیدیہ، غوث گارڈن، فیز II، اندرون باغ والی پلی، جی ٹی روڈ، مناواں، لاہور۔

زیرِتبصرہ کتاب سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل دروس کا مجموعہ ہے، جو مولانا محمود الرشید حدوٹی نے ایک مدرسہ کے طلبہ کو فون پر پڑھائے تھے۔ موصوف روزانہ کی بنیاد پر دروس کی جمع وترتیب کا کام بھی ساتھ ساتھ کرتے رہے، سورۂ فاتحہ کے اختتام پر مزید حک واضافہ کے بعد ان تفصیلی دروس کو کتابی صورت میں شائع کردیا ہے۔ ماشاءاللہ! اچھا اور مفید کام ہے۔ تفسیرِ قرآن سے شغف رکھنے والوں کے لیے سورۂ فاتحہ کا ایک معتد بہ تفسیری مواد یکجا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس محنت اور قرآنی خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اُسے قارئین کے لیے مفید بنائے۔ آمین

خلاصۂ تراویح

مولانا حکیم محمد عمر فاروق قریشی صاحب۔ صفحات: ۶۴۔ نوٹ: کتاب مفت تقسیم کی جاتی ہے۔

ملنے کا پتہ: قریشی ٹریڈرز، راجن پور روڈ، نیو بس اسٹینڈ، جام پور، ضلع راجن پور۔

زیرِنظر کتابچہ رمضان کی ستائیس راتوں کی تراویح میں یومیہ تلاوت کی مناسبت سے قرآن

کریم کے چیدہ چیدہ مقامات کے تفسیری خلاصہ پر مشتمل ہے ۔ پہلی تراویح اور دوسری تراویح وغیرہ کے عنوان سے یومیہ خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔ کتابچہ کی ابتداء اور وسط میں حسبِ ترتیب سوا سپارہ کا خلاصہ تقریباً دو ڈھائی صفحہ میں سمویا گیا ہے ۔ آخری ایام کی تراویح کا خلاصہ تلاوت کے اختصار کے بقدر ہے ۔ اس طرح صرف ۶۴ ؍صفحات میں پورے قرآن مجید کے منتخب مقامات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔ بہرحال یہ کتابچہ اختصار پسند طبائع اور رمضان شریف میں بعض مساجد کے ماحول کی مناسبت سے دروس کے لیے مفید ہے ۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ۔ آمین

صحبتے با شیخ مدنیؒ (حیات وملفوظات شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ مدنیؒ)

مؤلف : مولانا عرفان الحق اظہار حقانی ۔ صفحات : ۱۴۴ ۔ قیمت : درج نہیں ۔ ناشر : مؤتمر المصنفین ، جامعہ دار العلوم حقانیہ ، اکوڑہ خٹک ۔

زیرِ تبصرہ کتابچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ مدنیؒ کی مختصر سوانح ، ملفوظات ، علمی نکات ، درسی افادات ، مجالس ، مواعظ ، پسندیدہ اشعار اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے اُن کے نام لکھے ہوئے مکتوبات پر مشتمل ہے ۔ مؤلف ومرتب نے زمانۂ طالب علمی سے اس مواد کو ڈائریوں میں لکھنا شروع کیا تھا ، جسے اب ترتیب دے کر افادۂ عام کے لیے کتابی شکل میں پیش کیا ہے ۔ علمی نکات اور تاریخی معلومات کے متلاشیوں اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اس کتابچہ میں بہت کچھ ہے ۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور قارئین کے لیے مفید بنائے ۔ آمین

ماہنامہ ’’بینات‘‘ کی خصوصی اشاعتیں

①	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ	=/400 روپے
②	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	=/500 روپے
③	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	=/400 روپے
④	حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ	=/400 روپے
⑤	حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	=/350 روپے
⑥	حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ	=/100 روپے
⑦	حضرت مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ	=/100 روپے